جدوجہد وعمل۔۔۔قومی بیداری کیلئے!!!

ماہنامہ

آزاد

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

فروری 2013 | شمارہ نمبر:7 | جلد نمبر:1

فہرست

اداریہ		02
مشکے میں پاکستانی فوجی آپریشن	بجار بلوچ	03
امریکی امداد اور پاکستان میں تبدیلی کا ڈرامہ	یارجان بلوچ	07
کرائے کے سپاہی اور عربی نام	اسلم بلوچ	09
2013:ایک نئی تاریخ کی ابتداء	علی شیر	11
بلوچ سرمچاروں کو مزید تربیت کی ضرورت ہے	سمیر جیئند بلوچ	14
ہمہ جہت شخصیت کے مالک شہید درویش	مہراب مہر بلوچ	16
بلوچ سماج میں آزاد خیالی اور عورتوں کا کردار	سازین بلوچ	20
بلوچ فدائین شہید اللہ رحم ساسولی	منتری بلوچ	22
سامراجی تعلیم اور انقلابی تعلیم	شہباز بلوچ	25
مکافاتِ عمل	شئے رگام بلوچ	27
ایف سی کا بلوچستان فتح کرنے کا خواب	برمش بلوچ	28
یشنل پارٹی کا آزادی پسندوں کو غلطیوں کی نشاندہی کرنے کی دعوت	گہرام بلوچ	29
مادر وطن بلوچستان کی فریاد	بانک ماہ گل بلوچ	32
فلپائن کی طویل جدوجہد آزادی	زرین فاطمہ	34
صبحِ نو	عزت بلوچ	49
پنجابی سمجھتا ہے کہ جب تک بلوچ اس سرزمین پر موجود ہے۔۔۔	شہید چیئرمین سہراب بلوچ کا انٹرویو	52
تحریک آزادی اور ردانقلابی قوتیں۔۔پمفلٹ	ادارہ	54
آئینہِ حقائق	یارجان بلوچ	55
اخباری بیانات	ادارہ	58

www.sagaar.org Blog : azadmagazine.blogspot.com E-mail : azadmagazine@gmail.com

اداریہ

ظلم و بربریت کے تسلسل میں شدت

نئے سال کی شروعات کے ساتھ جوں ہی پاکستان کے پارلیمانی انتخابات کی چے میگوئیاں سنائی دینے لگی ہیں اسی حساب سے قبضہ گیر اور اسکے ہمنواؤں کے گٹھ جوڑ سے بلوچستان میں جاری ظلم و بربریت کی شدت میں اضافہ ہوتا جارہا ہے۔25 دسمبر سے مشکے میں شروع ہونے والے فوجی کا روائی کا تسلسل جاری تھا کہ 9 جنوری کو شریف بلوچ اور اشرف بلوچ جو اپنے کھیتوں میں کام کررہے تھے کو پاکستانی فوج نے اغواء کرلیا۔12 جنوری کو پاکستانی فوج نے مکران کے علاقے مند کا گھیراؤ کر کے خواتین و بچوں کو تشدد کا نشانہ بنانے کے بعد 5 نوجوانوں کو اغواء کرلیا۔18 جنوری کو مستونگ میں پاکستانی فورسز نے رشید بلوچ کے گھر پر ہلا بول دیا اور رشید بلوچ اور شاہجہان بلوچ کو شہید کرنے کے ساتھ ساتھ پورے گھر کو آگ کر رشید بلوچ کی بھائی نثار بلوچ کو اغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے ۔اسی دن مستونگ میں فوجی کا راوئی جاری تھی کہ مشکے کے علاقے کھنڈڑی میں پاکستانی فوج نے عورتوں و بچوں کو گھروں سے نکال کر تمام گھروں کو لوٹ مار کے بعد نذر آتش کردیا۔اسلام اور مسلمانیت کے دعویدار پاکستانی فورسز نے قرآن مجید کو بھی گھروں کے ساتھ نذر آتش کردیا۔اسی طرح 21 جنوری کو بسیمہ میں یزیدی لشکر قاسم بلوچ کے گھر پر حملہ آور ہوا۔حملے کا جواب دیتے ہوئے قاسم بلوچ کے ساتھ بانک ریحانہ بلوچ نے بھی بہادر بلوچ خواتین کی تاریخ کو زندہ رکھتے ہوئے اپنے ننگ و ناموس کی حفاظت کیلئے جامِ شہادت نوش کیا۔رضا بگٹی اور اُس کے ساتھی کی مسخ شدہ لاشیں ڈیرہ بگٹی سے برآمد ہوئیں جن کو چار دن پہلے اغوا کیا گیا تھا۔24 جنوری کو کراچی کے علاقے ملیر سے اسیر عدنان بلوچ کی مسخ شدہ لاش ملی جن کو دسمبر کے مہینے میں مند سے اغوا کیا گیا تھا۔31 جنوری کو پاکستانی فوج نے منگوچر میں شہید عبدالغفار لانگو کی ہمشیرہ کے گھر پر حملہ کر کے یونس بلوچ کو شہید کردیا۔مسعود بلوچ، کفایت بلوچ، اسداللہ بلوچ اور رب نواز بلوچ سمیت متعدد افراد کو اغواء کرلیا۔

نوآبادیاتی قوتوں کا وطیرہ ہے کہ وہ محکوم اقوام پر ظلم و جبر کے تمام حربے آزماتی ہیں۔اسی طرح پاکستان بھی بلوچ قوم پر ظلم و جبر کے پہاڑ توڑنے سمیت تمام نوآبادیاتی ہتھکنڈے آزمانے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑ رہا۔دوسری جانب سامراج کی گماشتگی کا کردار ادا کرنے والے پارلیمانی پارٹیاں بھی اپنے تمام اختلافات کو بالائے طاق رکھتے ہوئے بلوچ قومی تحریک کو کاؤنٹر کرنے کیلئے ایک ہو چکے ہیں تاکہ وہ کسی بھی طرح بلوچ تحریک آزادی کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر کے اپنے پارلیمانی الیکشن کے مذموم ایجنڈے کو پایہِ تکمیل تک پہنچا سکیں۔مگر یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ ظلم و جبر سے حق کا راستہ نہیں روکا جاسکتا اور نہ ہی کوئی بڑی طاقت ظلم و ستم سے کسی قوم کو شکست دے سکتی ہے۔

مشکے میں پاکستانی فوجی آپریشن

نہتے عوام کے خلاف ریاستی دہشتگردی کا تسلسل

بجار بلوچ

مورخین و محققین میں اس بات پر اب عمومی اتفاق پایا جاتا ہے کہ پاکستان کسی قومی وعوامی جدوجہد یا کسی نیک مقصد کے تحت نہیں بنا ہے بلکہ عالمی سامراجی قوتوں کے مفادات کی چوکیداری کے لئے سازش اور جھوٹ کے سہارے بنی ہے ۔اسلئے آزادی، سچائی،انصاف،امن ،انسانیت وجمہوریت دشمنی اورسازش،فریب وجھوٹ اس غیر فطری ریاست کی خمیر میں شامل ہیں فریب وجھوٹ تو اس ملک کے حکمرانوں کا اوڑھنا بچھونا بن گیا ہے وہ سچ سے ہر وقت خوفزدہ رہتے ہیں۔سچ بولنے وسچائی کا سامنا کرنے کی ان میں ہمت ہے اور نہ عادت ۔پاکستان کے صدر،کھٹ پتلی وزیراعظم اورفوجی سربراہ جنرل کیانی سمیت اعلیٰ فوجی ونام نہاد سویلین حکمران مقبوضہ بلوچستان میں فوجی آپریشن اوراس سے متعلق فوجی سرگرمیوں کی ہر وقت تردید وانکار کرتے رہے ہیں جبکہ عملاً 2000ء سے مقبوضہ بلوچستان میں بلوچ قوم کے خلاف فوجی آپریشن اوراس سے متعلق سرگرمیاں ومظالم تسلسل کے ساتھ جاری ہیں۔دسمبر 2012ء میں بلوچستان کے علاقہ مشکے وآواران میں ایک مرتبہ پھر بڑی فوجی آپریشن کی تیاریاں وسرگرمیاں دیکھنے میں آنے لگی تھیں۔ظاہر ہے کہ بلوچ سرمچاروں نے بھی اس فوجی آپریشن کا مقابلہ کرنے کیلئے اپنا دفاعی حکمت عملی بنایا ہوگا۔فوجی آپریشن کے سلسلے میں جارح پاکستانی فوج کے پہلے دستے جب 24 دسمبر 2012ء کو مشکے پہنچنے لگے تو بلوچ سرمچاروں نے مشکے کے مختلف مقامات پر ان پہ حملہ کردیا اطلاعات کے مطابق بلوچ سرمچاروں کی ان حملوں میں جارح پاکستانی فوج کا ایک ویگو گاڑی،ایک سرف گاڑی اورایک ٹرک تباہ اوران میں سوار فوجی افسران واہلکار ہلاک وزخمی ہوگئے ۔بلوچ سرمچاروں کے ہاتھوں پٹی جارح پاکستانی افواج نے اگلے دن 25 دسمبر 2012ء کو علی الصبح مشکے کے نہتے سویلین آبادی پر فضائی وزمینی حملہ کردیا۔ایک بڑی زمینی لشکراور گن شپ Gunship ہیلی کاپٹروں نے معروف قومدوست بلوچ رہنماڈاکٹر اللہ نظر کے گاؤں میہی پر ہلہ بول دیا جارح پاکستانی فوج انتقام میں انسانیت کی دھجیاں اُڑاتے ہوئے گھروں میں موجود قابل احترام بلوچ خواتین،معصوم بچوں اور بزرگوں کو اُن کے گھروں سے زبردستی نکال کر پہلے پہل گھروں میں موجود قیمتی اشیاء کو لوٹنا شروع کیا پھر کھانے، پینے وسونے کے اشیاء کو آگ لگادی،مٹی وگارے سے بنے مکانات کو ڈائنامائیٹ بموں کے ذریعے منہدم کیا جبکہ جھونپڑیوں کو نذر آتش کرنے لگے حتیٰ کہ باڑھوں کے اندر بندھے مویشیوں کو ظالموں نے کھولنے کی اجازت نہیں دی اور باڑھوں کے اندر بندھے مال مویشی بھی زندہ جل گئے ۔ظالموں نے معصوم خواتین،بچوں اور بزرگوں کو شدید سردی کے موسم میں گھروں،کپڑوں، بستر، کھانے پینے کی اشیاء اورمویشیوں سے محروم کردیا۔حملہ آور فوج نے میہی کے گاؤں سے نہتے 17 سالہ محمد نعیم ولد میر آدم خان اور لیویز اہلکار 47 سالہ شاہ بیگ ولد مرید کو گرفتار کیا جبکہ مختلف مقامات پر کھیتوں میں مصروف کار کسانوں رکاشت کاروں 45 سالہ نہتے کسان عرض محمد ولد لعل محمد ساکن گجلی ،میر محمد حسین کے بزگر 55 سالہ خالق داد ساکن جیبری، 25 سالہ ظہور احمد ولد ماسٹر الٰہی بخش صیّاد ساکن نوکجو، 15 سالہ ذاکر عرف چنگیز ولد عبدالحکیم پٹّو ساکن نوکجو، 25 سالہ نور احمد ولد رضاء محمد ساکن میہی ،50 سالہ شریف ولد آدم ساکن کندڑی و اس کے 25 سالہ بیٹے اشرف کو حراست میں لے کر اپنے ساتھ لے گئے اور اُسی روز علی الصبح ہی پاکستانی گن شِپ ہیلی کاپٹروں کے دوسرے ایک دستے نے مشکے کے کوہستانی علاقہ میری کے چُٹوک نامی مقام پر میر ساہو نامی بلوچ اوراس کے رشتہ داروں کے گھروں پر شدید شیلنگ کی جس کے نتیجے میں میر ساہو کی تین سالہ معصوم بھتیجی مسمات بختی بنت دینار، ساہو کی 45 سالہ بیوی مسمات صدگنج ،ساہو کی 22 سالہ بہو مسمات حلیمہ زوجہ گھٹوک، ساہو کی 58 سالہ بھابھی گنج خاتون زوجہ علی جان،ساہو کی 68 سالہ بہن مہناز زوجہ نور محمد، ساہو کا جوان بیٹا 18 سالہ اَلجان ولد ساہو اور ساہو کا جوان بھانجا 27 سالہ خدابخش ولد نور محمد بلوچ شہید ہوئے جبکہ ساہو کا 12 سالہ معصوم بیٹا شیر جان ، ساہو کا جوان بھتیجا 22 سالہ بابل ولد دینار،ساہو کا جوان بھانجا 23 سالہ بخشی ولد نور محمد،ساہو کا جوان چچازاد بھائی

30 سالہ کریم داد ولد صاحب داد، ساہو کا بزرگ بھائی 65 سالہ بدل ولد رحمت، ساہو کی بھابھی 45 سالہ مسمات لعل بی بی زوجہ دینار، ساہو کے شہید ہونے والے بھانجے شہید خدابخش کی بیوی 25 سالہ مسمات لعل خاتون شدید زخمی ہوئے۔ اُسی تاریخ کو میہی گاؤں کو لوٹنے، نذر آتش کرنے اور مکانات کو ڈائنامائیٹ بموں سے منہدم کرنے کی کارروائی مکمل کر کے بعد از مغرب جارح پاکستانی افواج میہی سے ایف سی کیمپ بمقام گجر جا رہے تھے تو بلوچ سرمچاروں نے ان کے توقعات کے برعکس لڑو اور کنڈڑی کے مقامات پر فوجی کانوائے پر حملہ کر کے انھیں بھاری نقصان پہنچایا ڈر کے مارے فوجی کانوائے نہ آگے جا سکی اور نہ پیچھے بلکہ ساری رات راستے میں گذاری اور حسب معمول اگلے صبح انتقاماً زیر حراست عرض محمد کو شہید کر کے اس کی مسخ شدہ لاش گجر بازار میں پھینک دی۔ میہی وچٹوک میں سویلین آبادی پر حملہ، گھروں واملاک کو لوٹنے، نذر آتش ومنہدم کرنے اور خواتین، معصوم بچوں اور زیر حراست نہتے عرض محمد کو شہید کرنے جیسے اپنے انسانیت سوز جرائم کو چھپانے کیلئے اپنے باجگذار اور متعصب ذرائع ابلاغ کے ذریعے میہی اور چُوک میری گاؤں کو بی ایل ایف کے کیمپ ظاہر کرتے ہوئے آئی جی فرنٹیئر کور نے ان دونوں گاؤں کو تباہ واٹھارہ بلوچوں کو شہید کرنے اور درجن سے ذائد بلوچ فرزندوں کو گرفتار کرنے کا دعویٰ کیا جبکہ ذرائع ابلاغ کو جاری ایف سی کی پریس ریلیز میں مشکے میں اس وحشیانہ فوجی کارروائی کو کھٹ پتلی صوبائی حکومت کی ہدایت واجازت سے بلوچ قومی تنظیم بی ایل ایف کے خلاف کرنے کا کھلے عام اعتراف کیا گیا۔ غیر جانبدارانہ صحافت کے علمبردار بی بی سی سمیت کسی بھی ریڈیو وٹی وی چینل یا اخبار نے حقائق جاننے وایف سی کی مظالم وجھوٹ کا پردہ چاک کرنے کیلئے اپنا کوئی نمائندہ مشکے کے متاثرہ علاقوں میں نہیں بھیجا اور نہ انسانی حقوق وانسانی خدمت اور مدد کے دعویدار کسی تنظیم کے نمائندوں نے میہی وچٹوک، میری سمیت مشکے کا کوئی دورہ کیا۔ یہ صورتحال بذات خود اِس بات کا ثبوت ہے کہ بلوچ نسل کشی کے ایجنڈے پر پاکستانی فوج، پارلیمنٹ، نام نہاد سویلین انتظامیہ، اعلیٰ عدلیہ، ذرائع ابلاغ اور سِول سوسائٹی سمیت تمام ریاستی ستون اعلانیہ و غیر اعلانیہ طور پر متفق ہیں۔

میہی وچُوک مشکے میں نہتے ومعصوم بلوچ خواتین وبچوں پر پاکستانی فوج کی گن شپ ہیلی کاپٹروں کی فائرنگ وبمباری بلوچ خواتین، بچوں ونہتے مَردوں کو شہید اور زخمی کرنے، ان کے گھروں، املاک وکھانے پینے کی اشیاء کو لُوٹنے، نذرِ آتش کرنے اور مکانات کو ڈائنامائیٹ بموں کے ذریعے منہدم کرنے کی سفاکانہ کارروائی نے قافلہء حسینؓ کے خلاف یذیدی لشکر کے ظلم اور سفاکیت کی یاد تازہ کر دی۔ عالمی قوانین، مہذب معاشرے اور شریعت کسی شخص کے اعمال کی سزا اس کے ماں باپ، بہن بھائی، بیٹے بیٹی، بیوی اور دوستوں سمیت کسی اور شخص کو دینے کی اجازت نہیں دیتے قرآن میں لکھا ہے کہ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى۔ ترجمہ: ''ہر متنفس جو برائی کماتا ہے اس کا وبال اُسی پر ہے اور کوئی بوجھ اُٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اُٹھاتا''۔ یعنی کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے عمل کیلئے ذمہ دار وجواب دہ نہیں ہے۔ بلوچ سرمچار کسی بُرے فعل یا جُرم کا ارتکاب نہیں کر رہے ہیں بلکہ قابض وظالم پاکستانی حکمرانوں کے سامنے قومی آزادی جیسے عظیم فطری حق کی بات اور جدوجہد کر رہے ہیں جو بین الاقوامی قوانین اور اسلامی اقدار کے مطابق درست وجائز ہے۔ ''سب سے افضل جہاد ظالم حکمران کے سامنے انصاف کی (یا حق کی) بات کہنا ہے'' (ملاحظہ ہو خلافت سے ملوکیت تک صفحہ 79، مودودی)۔ مگر ظالم ووحشی پاکستانی حکمران اور فوج بلوچ قوم کے اس فطری، جائز وقانونی حق کو تسلیم کرنے کے بجائے طاقت کے ذریعے بلوچ قومی تحریک آزادی کو دبانے کی ظالمانہ حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں۔ وہ بلوچ سرمچاروں کے جدوجہد آزادی کی سزا نہتے بلوچ عوام خصوصاً خواتین ومعصوم بچوں کو دے رہے ہیں ان کی یہ ظالمانہ عمل مندرجہ بالا قرآنی احکام کی صریحاً خلاف ورزی ہے۔

میہی اور چُوک میری میں پاکستانی فوج کی بربریت بلوچوں پر ظلم وجبر کا پہلا واقعہ نہیں ہے بلکہ گذشتہ 12 سال سے مقبوضہ بلوچستان کے کونے کونے میں بلوچ عوام ایسے ہی ریاستی دہشتگردی کا سامنا کرتے آرہے ہیں۔ پاکستانی فوج، ایف سی، آئی ایس آئی وایم آئی جیسے خون خوار عسکری اداروں کے ہاتھوں اب تک لاکھوں بلوچ نقل مکانی پر مجبور اور ہزاروں بلوچ فرزند جبری غائب کئے گئے ہیں جن میں سے سینکڑوں کی تشدد سے مسخ شدہ لاشیں مل چکی ہیں۔ بے شک معصوم ملالہ یوسفزئی اور شیعہ اقلیت پر آئی ایس آئی کے آلہ کار مذہبی جنونیوں کے ظالمانہ حملوں پر پاکستانی وعالمی میڈیا، اقوام متحدہ اور عالمی قوتوں کا احتجاج درست مگر پاکستانی فوج کی ریاستی دہشتگردی کے ہاتھوں تین سالہ معصوم بلوچ بچی مسمات

بختی سمیت ایک ہی گھر کے سات بیگناہ افراد کی شہادت اور سات افراد کی زخمی ہونے، 10 بلوچ فرزندوں کو لاپتہ کرنے جن میں سے عرض محمد کی گولیوں سے چھلنی مسخ شدہ لاش ملی ہے، اور دوسو سے زائد گھروں پر مشتمل میبی گاؤں کو لوٹنے، جلانے اور ڈائنامائیٹ بموں سے مکانات کو منہدم کرنے کے انسانیت سوز واقعات پر مجرمانہ خاموشی ان اداروں و قوتوں کی طرف سے دُہرا معیار اپنانے کا کھلا اظہار ہے جس سے نہ صرف پاکستان جیسے فسطائی ریاستوں کو ریاستی دہشتگردی کی شہ ملتی ہے بلکہ ریاستی دہشتگردی کے شکار مظلوم و محکوم اقوام و معاشروں میں یہ یقین پختہ ہوجاتا ہے کہ آزادی، امن، انصاف، جمہوریت و سیکولرازم جیسے مقاصد کے ساتھ یو این او اور عالمی قوتوں کی کمٹمنٹ commitment بہت ہی کمزور اور مذہبی جنون، عدم رواداری و دہشتگردی کے خلاف ان کی پالیسی موقع پرستی پر مبنی ہے۔

تادم تحریر ہذا مشکے پاکستانی قابض آرمی کے محاصرے میں ہے سڑکوں پر جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم ہیں خضدار اور دیگر علاقوں سے مشکے کا زمینی رابطہ منقطع ہے لوکل ٹرانسپورٹ بند ہے۔ جیہری، میبی، نوکجو، گورکھائی، لاکی و کندڑی میں متعدد ٹیوب ویل مشینوں کو توڑ پھوڑ کر فوج نے ناکارہ بنایا ہوا ہے پٹرول و ڈیزل دستیاب نہیں جس کی وجہ سے کروڑوں مالیت کی فصلیں تباہ ہورہی ہیں۔ ایف سی کی ظلم و بدتہذیبی کی وجہ سے کوئی سڑک پر سفر نہیں کرتا اگر کوئی غلطی سے پیادہ یا موٹر سائیکل لیکر سڑک پر نکلے ایف سی والے اس کے ساتھ بدسلوکی و تشدد کرتے ہیں اگر کوئی پک اپ یا اور گاڑی مسافر لیکر سڑک پر نکل آئے تو ایف سی گاڑی سے مسافروں کو زبردستی اُتار کر ڈرائیور کو ایف سی کیلئے پانی و تعمیراتی مواد لانے پر مجبور کرتے ہیں۔ میبی، جیہری، نوکجو، گورکھائی، رِندک و کندڑی کو ایف سی نے عملاً نوگو ایریاز بنادیا ہے۔

پاکستان جسے فوج و خفیہ اداروں کے آلہ کار مذہبی جماعتیں اسلام کا قلعہ ثابت کرنے پر تُلے ہوئے ہیں اس وقت روئے زمین پر مسلمانوں کا سب سے زیادہ خون بہانے والا ملک ہے۔ اِسی پاکستان نے مارچ 1948ء میں بلوچوں کا خونِ ناحق بہا کر اُن کی آزاد وطن پر جبری قبضہ کیا، 1971ء میں ایک سال کے اندر تیس لاکھ بنگالی مسلمانوں کو قتل کیا، کشمیریوں کی قومی آزادی کی تحریک کو مذہبی شدت پسند تحریک میں بدل کر پنجاب کی پانیوں کیلئے کشمیر جنت نظیر کو جہنم بنادیا، اپنے مغربی سرحد کو محفوظ بنانے اور ڈیورینڈ لائن تنازعہ کو دبانے کیلئے افغانستان میں مذہبی انتہاپسند پروکسی تنظیمیں تخلیق کر کے افغانستان کو ایسی خانہ جنگی میں دھکیل دیا ہے کہ جس کا کوئی خاتمہ نظر نہیں آتا۔ پاکستان کی لگائی ہوئی اس خانہ جنگی میں اب تک لاکھوں افغان قتل و معزور ہوچکے ہیں اور لاکھوں افغان آج بھی مہاجروں کی زندگی گذارنے پر مجبور ہیں جبکہ بلوچ قومی تحریک آزادی کو بزور طاقت کچلنے کیلئے 2000ء سے ایک مرتبہ پھر وحشی پاکستانی فوج اور خفیہ ادرے خوف و دہشت پھیلانے کیلئے مقبوضہ بلوچستان کے کونے کونے میں بلوچ بستیوں پر یلغار و محبّ وطن، قوم دوست بلوچ رہنماؤں، سیاسی کارکنوں، دانشوروں، ادیب، صحافی، ڈاکٹر، شاعر اور طالب علموں کو اپنے ڈیتھ اسکواڈز کے ذریعے ہدف بنا کر شہید اور جبری لاپتہ کرتے آرہے ہیں۔ ہزاروں بلوچ فرزند ریاستی عقوبت خانوں میں لاپتہ ہیں اور شہید عرض محمد سمیت سینکڑوں کی مسخ شدہ لاشیں مل چکی ہیں۔ مسلمانوں سمیت انسانیت کے خلاف سفاکیت و ظلم کی ایسی کوئی مثال حضور ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار میں نہیں ملتا البتہ حسینؓ کے قاتل یذید اور اس کے والد معاویہ کے ادوار میں اسطرح کے ظلم و وحشی پن کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً معاویہ نے بُسر بن ابی اُرطاۃ کو حجاز و یمن کو حضرت علیؓ کے قبضہ سے نکالنے کیلئے بھیجا تو اُس شخص نے یمن میں حضرت علیؓ کے گورنر عبیداللہ بن عباسؓ کے دو چھوٹے چھوٹے بچوں کو پکڑ کر قتل کردیا (خلافت سے ملوکیت تک: صفحہ 176)، جنگ صِفّین میں حضرت عمارؓ کا سر کاٹ کر معاویہ کے پاس لایا گیا، اس کے بعد دوسرا سر عمرو بن الحمق کا تھا اس کا سر کاٹ کر زیاد کے پاس لایا گیا اس نے بریدہ سر کو معاویہ کے پاس دمشق بھیج دیا وہاں اسے برسرِ عام گشت کرایا گیا اور پھر لے جا کر اُن کی بیوی کی گود میں ڈال دیا گیا (مودودی، خلافت سے ملوکیت تک: صفحہ 177)، میدان کربلا میں حضرت امام حسینؓ جب زخمی ہوکر گر پڑے تو اُن کو ذبح کیا گیا پھر اُن کے جسم پر جو کچھ تھا وہ لُوٹا گیا حتیٰ کہ اُن کے لاش پر سے کپڑے تک اُتار لئے گئے اور اُس پر گھوڑے دوڑا کر اُسے روندا گیا۔ اس کے بعد اُن کی قیام گاہ کو لُوٹا گیا اور خواتین کے جسم پر سے چادریں تک اُتار لی گئیں۔ اِمام حُسینؓ سمیت تمام شُہدائے کربلا کے سر کاٹ کر کُوفہ لے جائے گئے اور اِبن زیاد نے برسرِ عام اُن کی نمائش کی پھر یہ سارے سر یذید کے پاس دمشق بھیجے گئے اور اُس نے بھرے دربار میں اُن کی نمائش کی (ملاحظہ ہو، ابوالاعلیٰ مودودی، خلافت سے ملوکیت تک، صفحہ 180)۔ قابض پاکستانی فوج

نے میہی و پُٹھوک ،مشکے میں 25 دسمبر 2012ء کو جوظلم ڈھائے یا اب جوظلم کررہا ہے یا پھر گذشتہ 12 سال سے مقبوضہ بلوچستان کے کونے کونے میں جس طرح بلوچ فرزندوں کی گولیوں سے چھلنی وتشدد سے مسخ لاشیں پھینکنے اور لاشوں کی بے حرمتی کرنے کی وحشیانہ کارروائیاں کرتا آرہا ہے یہ سب کچھ وحشی وسفاک یذیدہی کی پیروی تو ہے۔

جہاں تک کھٹ پُتلی اسلم رئیسانی حکومت (جو کہ اب بے آبرو ہوکر برطرف ہوچکی ہے) کی حکم واجازت کا تعلق ہے تو یہ لوگ شروع ہی سے قابض پاکستانی فوج کے آلہ کار،معاون وشریک جرم ہیں۔یہ بے ضمیر پارلیمانی بلوچ الیکشن کیلئے راستہ صاف کرنے کے لالچ میں وحشی فوج کی بلوچ گھروں پر یلغار میں معاون وآلہ کار بن گئے۔کیا اسلم رئیسانی کی کھٹ پُتلی حکومت کے وزراء اپنے اس قومی جرم رئیسانی حکومت کے مفلوج ہونے کا اعتراف کرنے اور اس بنا پر اسے برطرف کرنے کی کڑوا سچ تسلیم کرنے سے گریز کرتے ہوئے اپنے آلہ کار مذہبی شدت پسند وفرقہ پرست تنظیم کے ذریعے شیعہ ہزارہ اقلیت پر انسانیت سوز حملہ کروایا اور پھر ہزارہ برادری کے اندر موجود اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مشتعل متاثرہ عوام کو دھرنے پر بٹھا کر اسلم رئیسانی کی کھٹ پتلی حکومت سے جان چُھڑانے کا جواز پیدا کیا تا کہ سانپ بھی مرے اور لاٹھی بھی نہ ٹُوٹے کیونکہ ان کے خیال میں اسلم رئیسانی حکومت کی بلوچ قومی تحریک آزادی کے ہاتھوں مفلوج ہونے کی حقیقت کا اعتراف کرنے سے بلوچ قومی تحریک آزادی عالمی توجہ کا مرکز بن جاتا اسلئے آئی ایس آئی نے اپنے آلہ کار فرقہ پرست وتنگ نظر مذہبی عناصر کی پرورش کر کے ان کے ذریعے سے مقبوضہ بلوچستان کے کچھ مخصوص علاقوں (کوئٹہ

تادم تحریر ہذا مشکے پاکستانی قابض آرمی کے محاصرے میں ہے سڑکوں پر جگہ جگہ فوجی چوکیاں قائم ہیں خضدار اور دیگر علاقوں سے مشکے کا زمینی رابطہ منقطع ہے لوکل ٹرانسپورٹ بند ہے۔جیبرؔی،میہؔی،نوکجو،گورکھاؔئی،لاکؔی وکندڑؔی میں متعدد ٹیوب ویل مشینوں کو توڑ پھوڑ کر فوج نے ناکارہ بنایا ہوا ہے پٹرول وڈیزل دستیاب نہیں جس کی وجہ سے کروڑوں مالیت کی فصلیں تباہ ہورہی ہیں۔ایف سی کی ظلم وبدتہذیبی کی وجہ سے کوئی سڑک پر سفر نہیں کرتا اگر کوئی غلطی سے پیادہ یا موٹر سائیکل لیکر سڑک پر نکلے ایف سی والے اس کے ساتھ بدسلوکی وتشدد کرتے ہیں اگر کوئی پک اپ یا اور گاڑی مسافر لیکر سڑک پر نکل آئے تو ایف سی گاڑی سے مسافروں کو زبردستی اُتار کر ڈرائیور کو ایف سی کیلئے پانی وتعمیراتی موادلانے پر مجبور کرتے ہیں۔میہؔی،جیبرؔی،نوکجو،گورکھاؔئی،رِندکؔ وکندڑؔی کو ایف سی نے عملاً نوگوایریاز بنادیا ہے۔

کیلئے بلوچ عوام کے احتساب سے بچ پائیں گے؟ کیا ان پاکستانی پارلیمانی دلالوں کے گھر ڈاکٹر اللہ نذر اور میر ساہو کے گھروں سے زیادہ مقدس ہیں؟ میہؔی،پُٹھوکؔ اور کندڑؔی میں بلوچ گھروں کی چادر اور چاردیواری کی تقدس پامال کرنے کی اجازت دے کر ان غداروں نے اپنے گھروں کی تقدس خود ختم کی ہے الیکشن ووزارتوں کے لالچ میں بلوچ گھروں کی تقدس پامال کرنے کے جس گھناؤنے عمل کا آغاز پاکستانی پارلیمانی ایجنٹوں نے کیا ہے اس کی لپیٹ میں ان کے گھر بھی آسکتے ہیں۔جہاں تک اسلم رئیسانی حکومت کی برطرفی کا تعلق ہے تو یہ کھٹ پتلی حکومت بلوچ قومی تحریک آزادی کے باعث روز اول ہی سے عضوِ معطل کی طرح تھا اب ان بدعنوان وبے اثر آلہ کاروں کی ضرورت اُن کے آقاؤں کو نہیں رہا اسلئے انہوں نے ان آلہ کاروں کو بے آبرو کر کے ٹشو پیپر کی طرح پھینک دیا تاہم پاکستانی فوج وآئی ایس آئی بلوچ قومی تحریک آزادی کے آگے اسلم وگردونواح) میں شیعہ اقلیت پر حملوں کا بے رحمانہ سلسلہ شروع کروایا تا کہ عالمی رائے عامہ کا توجہ نہ صرف بلوچ قومی تحریک آزادی سے ہٹا سکے بلکہ فرقہ وارانہ تشدد ودہشتگردی کا مقابلہ کرنے کا ڈرامہ رچا کر عالمی قوتوں سے فوجی ومالی امداد حاصل کر کے بلوچ قومی تحریک آزادی کے خلاف استعمال کرسکے مگر آج ابلاغ،اطلاعات اور معلومات کے جدید وموثر ذرائع کی موجودگی میں ایسے بے ہودہ وانسانیت کش ڈراموں کی کامیابی ممکن نہیں۔اس طرح کے ظالمانہ خونی ڈراموں کے ذریعے عالمی رائے عامہ وقوتوں کو گمراہ کرنے اور بلوچ قومی تحریک آزادی سے ان کی توجہ ہٹانے کی حکمت عملی سفا کانہ مگر احمقانہ ہے کیونکہ بلوچ قومی تحریک آزادی عالمی رائے عامہ کے سامنے ایک زندہ حقیقت ہے جس کی سچائی وروشنی کو ایسے ڈراموں کے ذریعے گہنایا نہیں جاسکتا۔

امریکی امداد اور پاکستان میں تبدیلی کا ڈرامہ

یار جان بلوچ

آزاد ممالک میں عوامی مفاد کے معاملات میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہاں کے مجاز ادارے کیا فیصلہ کرتی ہیں اور عوام ان فیصلوں کے متعلق کیا رویہ اپناتا ہے جس سے ان ممالک میں سیاسی طاقت کی ساخت اور اس کے ارتکا کی سمت کا اظہار ہوتا ہے جہاں سیاسی طاقت عوام سے ہوتا ہوا مخصوص اداروں کے ہاتھوں میں مرکوز ہے۔ سرمایادار ممالک میں سیاسی طاقت خالص عوامی نہیں لیکن یورپ سمیت دنیا کے سرمایادارانہ جمہوریت رکھنے والے آزاد ریاستوں کے ادارے مستحکم ہیں ، جہاں عوام کی سیاسی طاقت مرکوز ہوتی ہے اور یہ ادارے عالمی سرمایہ دار معیشت کے دباو کے ساتھ ساتھ اپنے عوام کے بھی مطالبات کے دباو میں ہوتے ہیں اور اگر چہ ان کے فیصلے عالمی سرمایہ داروں کے مفادات کے مطابق ہی ہوتے ہیں لیکن بہرونی دباو اور عالمی سرمایہ داری کے پیدا کیئے گئے ،سخت حالات کو بھی وہ مجبور ہیں کہ اپنے ملک کے اداروں میں لے آئیں جہاں انہیں عوام کا سامنہ ہوتا ہے اور عوام اپنی طاقت کا مظاہرہ بھی کرتے ہیں جسے عموماً حکومتیں قبول نہیں کرتے اور اپنے عزائم عوام کو قابو میں رکھ کر مکمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں لیکن وہ یہ تسلیم کرتے ہیں کہ عوامی قوت موجود ہے جس کا دباو ان اختیارداروں پر ہر وقت ہوتا ہے وہ اگر چہ عوام کے مطالبات تسلیم نہ کریں اور عوامی دباو کو خاطر میں نہ لائیں لیکن انہیں عوام کو کسی نہ کسی طرح قابو میں رکھنا ہوگا اور ایسا کرنے کیلئے وہ با قائدہ منصوبہ بندی کرتے ہیں۔ پولیس اور سخت قوانیں کی موجودگی دراصل اسی عوامی دباو کی موجودگی کا اقرار ہے جس سے وہ خوفزدہ ہیں۔تب یہ ادارے اگر کوئی فیصلہ کرتے ہیں تو یہ دیکھا جاتا ہے کہ اس کے حوالے سے عوام کا ردعمل کیا ہوگا اور اس سے کس طرح معاملہ کیا جائے اور عالمی دباو کے باوجود یہ خاطر میں رکھا جاتا ہے کہ عوام کیا کرے گا۔ان ریاستوں میں سرمایہ دار آزادانہ فیصلے نہیں کر سکتے عوامی دباو کی موجودگی ان کے فیصلوں پر اثر انداز رہتی ہے۔

پاکستان جیسے عالمی سامراج کی قائم کردہ ریاست میں طاقت کی ساخت واضح ہے جو کہ عالمی امداد کی شکل میں امریکہ سے براستہ اقوام متحدہ، آئی ایم ایف ، ورلڈ بینک اور نیٹو سے پاکستان تک پہنچتی ہے۔ امداد کا یہ روٹ درحقیقت امریکہ سے پاکستان تک طاقت کی ساخت کو نمایا کرتا ہے۔ جو کہ عوام کے ہاتھوں سے نکل کر پاکستانی ایجنسیوں اور فوج کے ہاتھوں میں مرکوز ہے جہاں سے یہ برائے راست امریکہ کے ہاتھ میں آجاتی ہے۔ پاکستان میں سیاسی طاقت کے اسی ساخت کو مد نظر رکھتے ہوئے پاکستان کی سیاست اور معیشت کا تجزیہ کیا جاتا ہے فیصلے امریکہ لیتا ہے ان پر عملدرامد پاکستانی فوج کی رضامندی سے حکمران کرتا ہے جب کہ عوام اور پاکستانی حکمرانوں اور فوج میں اس قدر فاصلہ ہے کہ امریکہ جو کہ حقیقی معنوں میں پاکستانی عوام کی طاقت کا کنٹرول حاصل کر چکا ہے اور پاکستانی عوام جن پر امریکہ کو کنٹرول حاصل ہے کے درمیان کا تعلق کبھی زیر بحث ہی نہیں آپائیگا۔ پاکستان میں پیدا ہونے والی چھوٹی بڑی صورتحال کیلئے فیصلہ کن عنصر امریکہ ہے ۔مشرف کی وردی کا مسئلہ ہو، نواز شریف ، زرداری کا مسئلہ، عدلیہ کا معاملہ ہو کہ طاہر القادری کا مارچ یا پاکستانی الیکشن پاکستان میں بظاہر آنے والی سیاسی اتار چڑھاو میں اگر کوئی بات معنی رکھتا ہے تو وہ یہ کہ امریکہ کیا کہتا ہے۔اس بات کا واضح تاثر پاکستانی میڈیا میں موجود ہے جو کہ ہر معاملے میں نہ صرف امریکی موقف لینے میں ہر وقت منتظر رہتے ہیں بلکہ امریکہ کی جانب سے پاکستان پر کی جانے والی تجزیوں کو بھی نمایا کیا جاتا ہے جس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ یہی وہ پالیسی ہے جس پر عمل ہوگا اور معملات اسی جانب بڑینگے جس طرف امریکہ اشارہ کریگا۔ طاہر القادری کے مارچ کے دوران پاکستانی میڈیا کی جانب سے امریکہ اور برطانیہ کی جانب سے جاری ہونے والے بیانات کو کافی کوریج دیا گیا جس میں انہوں نے پاکستان میں استحکام اور الیکشن کا میاب طریقے سے کرانے میں اپنی دلچسپی کا اظہار دہرایا تھا۔ جسے پاکستانی میڈیا نے اسی انداز میں کوریج دیا جیسے امریکی موقف پاکستان کے آنے والے الیکشن کیلئے کوئی مستند پیشنگوئی ہے۔ کیونکہ انہیں ادراک ہے کہ جب تک امریکہ چاہئے تو پاکستان کی سیاسی میدان میں آنے والی کوئی ہلچل انتخابات کو متاثر نہیں کر سکتی۔

مشرف کے زوال کے بعد پانچ سالہ عجیب وغریب سرمایادارانہ جمہوریت کے دور میں ایک تسلسل کے ساتھ ایسے واقعات رونما ہوتے رہے جنہوں نے پاکستانی

عوام کے تجسس کو کبھی ٹوٹنے نہ دیا اور پانچ سال تک پاکستانی عوام کو گدوں کی طرح پاکستانی کارپوریٹ میڈیا کے سامنے بٹھائے رکھا جس نے پاکستان کے عوام کو پانچ سال کے دوران ایک امید کی کیفیت میں رکھا کہ حکومت ختم ہورہی ہے اسی طرح پاکستانی میڈیا کے زیر اثر مقبوضہ بلوچستان کے مڈل کلاس اس ہلچل کو دیکھتے دیکھتے وہ ہر صبح اس امید کے ساتھ بستر سے اُٹھتے کہ پاکستان ٹوٹ چکا ہے۔لیکن اس نوعیت کا ہر ڈرامہ اپنی مدت پوری کرنے کے بعد ڈراپ سین پر پہنچ جاتا ہے کوئی بھی تبدیلی کی امید ہو جاتی ہے تمام خوش فہمی پر مبنی تجزیات، اندازے اور پیشگوئیاں غلط ثابت ہو جاتی ہیں پھر وہی پاکستان وہی حکمران کسی نئے سین میں۔لیکن اگر بات امریکہ کی زبانی ہو تو تب بات میں وزن ہوتا ہے اور پاکستانی میڈیا سمیت دانشور بھی امریکی موقف کا تجزیہ کر کے نوشتہ دیوار پڑھ لیتے ہیں۔

امریکہ کی بالادستی امریکی سامراج کا اظہار ہے وہ جیسا کہ ارن دتی رائے کہتی ہیں چیک بک اور کروز میزائل کے زرئے اپنے فیصلوں پر عملدرامد کراتی ہیں پاکستان کی طرح کے زیر دست ممالک اپنے آقا کی جانب سے دی گئی چیک بک کو ریاستی سطح پر بڑے شوک سے وصول کرتی ہیں لیکن پاکستان دیگر سامراجیت کے شکار ممالک سے اس قدر امتیاز رکھتا ہے کہ یہاں امریکی امداد صرف ایک فنڈ نہیں بلکہ آمدنی کا ایک اہم زریعہ بن چکا ہے جسے برقرار رکھنے کیلئے پاکستان کی فوج، خفیہ ادارے ہر دم کوشاں رہتے ہیں۔ پاکستان کا محکمہ دفاع اس کی واضح مثال ہے جو کہ ایک جانب اسی آمدنی کے زریعے چل رہی ہے تو دوسری جانب اس زریعے آمدن کو برقرار رکھنے کیلئے پاکستانی دفاعی ادارے باقاعدہ حکمت عملی سے اس خطے میں ایسی صورتحال پیدا کر رہے ہیں جس سے پاکستان کی جانب خرچ والے عالمی سرمایہ کبھی نہ رکھے۔اسی مقصد کیلئے پاکستان نے افغانستان کو ایک مسلسل جنگ زدہ صورتحال کی جانب دھکیلنے میں اہم کردار ادا کیا اسی مقصد کیلئے پاکستان نے دہشتگردی کی فیکٹریاں کھولی ہوئی ہیں۔

پاکستان پر امریکی سامراج کی حکومت کمال مہارت سے کی جارہی ہے جہاں امریکہ تمام مہروں کا اکیلا کھلاڑی ہے وہ جب چاہے اپنے مہرے آگے پیچھے کر کے اپنے مطلوبہ مفادات حاصل کر لیتا ہے۔انہی مفادات کے تحت امریکہ نے ایک طویل مدت تک جنگ کی عوض پاکستان کو ملنے والی امداد کو روکھے رکھا پاکستانی فوجیوں کو ہلاک کیا اور پاکستان کو اندرونی اور بیرونی سطح پر دباو میں رکھا جبکہ اب ایک مرتبہ پھر وہی امداد بحال کر دی گئی۔امریکہ نے پاکستان کے ساتھ تعلقات میں زمین پر کوئی تبدیلی نہ آتے ہوئے بھی اپنا امداد بحال کر دی ہے جس سے اب اس خطے میں امریکہ نے اپنے آئندہ عزائم واضح کر دیئے ہیں۔امریکہ کے آئندہ سال 2014 کو افغانستان میں اپنے مستقبل کے متعلق کوئی ٹوس قدم اٹھانے کے وقت پاکستان کو اس حال میں دیکھنا چاہتا ہے جس میں وہ امریکی مفادات کی حفاظت بہتر طور کر سکے کیونکہ امریکہ افغانستان میں جاری اپنی جنگ کا بیشتر حصہ پاکستان میں لڑ رہا ہے۔امریکہ پاکستان میں الیکشن کیلئے واضح اشارے دے چکا ہے جس کیلئے پہلے ہی گزشتہ پانچ سالوں کی انوکی جمہوریت میں تمام لوازمات تیار کیئے جا چکے ہیں الیکشن سے قبل امریکی امداد کی بحالی اور امریکہ کی جانب سے آنے والے بیانات میں وہ پاکستانی انتخابات کامیاب کرانے میں دلچسپی واضح کر رہے ہیں جس سے یہ واضح ہو جاتی ہے کہ امریکہ پاکستان میں الیکشن کے ذریعے ایک ایسا سیٹ آپ بنانے چاہتی ہے جو کہ آئندہ آنے والے وقتوں میں اس خطے کے متعلق اہم فیصلوں میں امریکہ کیلئے معاونت فرائم کرے۔

بلوچ تحریک آزادی کو بھی امریکہ نے پاکستان پر دباو کیلئے استعمال کیا جس کی اپنی پوزیشن اب بھی اپنی جگہ پر اہم ہے اور مستقبل میں کسی بھی صورتحال میں یہ مسئلہ امریکہ کی سطع پر ایک مرتبہ پھر اٹھ سکتا ہے۔لیکن امریکہ کی پاکستان سے دستبرداری اور پاکستان کی موجودہ جغرافیہ میں کسی نوعیت کی تبدیلی کیلئے امریکہ کے پاکستان کے ساتھ وابستہ موجودہ مفادات کی نوعیت کی تبدیلی ضروری ہے۔اگر چہ اس وقت امریکہ پاکستانی اداروں کی پوزیشن کو استعمال کرنے کیلئے ان کی بھرپور معاونت کر رہا ہے لیکن اس خطے میں چین اور ایران کے بڑھتے ہوئے قدم اور امریکہ کے مد مقابل کسی بھی نوعیت کی عالمی تنازیہ اس خطے میں طاقت کی ساخت میں تبدیلی کا موجب بن سکتا ہے جس کا برائے راست اثر پاکستان کی جغرافیہ پر پڑیگا۔

کرائے کے سپاہی اور عربی نام

اسلم بلوچ

مذہب اسلام میں داخل ہونے کے لیے کلمہ جس کا مطلب ''اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں محمد اللہ کے رسول ہیں کے بعد نماز، روزہ، حج، زکوات جیسے اعمال کی پابندی کرنے کے بعد ہی کوئی مسلمان کہلاتا ہے اور ایک مسلمان کے لیے متقی اور پرہیز گار رہونا لازمی ہوتا ہے۔ ماں کے پیٹ کے بعد اس دنیا میں کوئی بھی نسلی اعتبار سے بلوچ، سندھی، عرب، ترک، پٹھان اور فارس پیدا ضرور ہوتا ہے مگر مسلمان ہرگز نہیں جب تک وہ پورے ہوش وحواش سے ان تمام اعمال کا پابند نہ ہو مسلمان نہیں کہلاسکتا۔

مگر بدقسمتی سے یہاں مسلمان اور پاکستانی شہریت کو قومیت کی جگہ لیا جاتا ہے۔ علمی تعریف سے ہٹ کر بڑے بڑے دانشور، اخبارات، ٹی وی چینلز کا پاکستانی اور مسلمان کو ایک قوم وملت قرار دینا بالکل ایک تماشہ لگتا ہے۔ فرض کریں کہ عقل کے اندھوں کی مانند ہم بھی مان لیتے ہیں کہ مسلمان ایک قوم وملت اور بھائی بھائی ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب، ترک، فارس، چیچن، کرد زبان، رسم ورواج اور رہن سہن کے طریقوں سے الگ الگ کیوں ہیں؟ ماضی میں عرب قبائل نے مل کر ترک قبضہ گیریت کے خلاف سامراجی مفادات اور منشاء کو لے کر اپنی آزادی کی جنگیں کیوں لڑیں؟ مشہو ومعروف لارنس، جسے لارنس آف عربیہ کے نام سے جانا جاتا ہے ایک تاریخی حقیقت نہیں اور کیا عرب مسلمان ہونے کے باوجود ایک قوم ہوکر الگ الگ جغرافیائی حدود، مختلف ممالک کے حوالے سے پہچان نہیں رکھتے؟ ان تمام تر حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم اس سامراجی کالونی کی طرف دیکھیں جس کا کالونیل ایجنٹ تاریخی کرایے کے سپاہی پنجابی تھانیدار ہیں۔

یہاں سب سے بہتر مسلمان کی دعویداری کے باوجود عقائدی تضادات جن میں سرِ فہرست شیعہ سنی، دیوبندی، بریلوی، اہلسنت، وہابی وغیرہ کو لے کر ایک کے برحق ہونے کے لیے دوسرے کو کاٹ مارنا، کیسے کس کے لیے اور کیوں؟ حقائق جاننے کے لیے تضادات کی تہہ میں جانا اس لیے بھی ضروری ہے کیونکہ یہاں سامراج کی مدد سے قابض کرایے کے سپاہیوں کے ٹولے نے اپنے مفادات کے لیے مذہب واسلام کے نام کا استعمال بڑے ہی شرمناک انداز میں کیا ہے۔ تاریخ گواہ ہے کہ برطانوی سامراج کی بہتر خدمات کے عوض کرایے کے سپاہی کے طور پر مشہور ومعروف ٹولے کو ملنے والی کالونی بھی سامراجی مفادات کے لیے اسلام ومسلمان کے نام پر کھڑی کی گئی ہے۔ تاریخ کا سب سے بڑا جبر انسانوں پر دوقومی نظریہ والے جھوٹ کی بنیاد پر کیا گیا ہے۔ حیرت انگیز طور پر ہندو اور مسلمان علمی لحاظ سے

مگر بدقسمتی سے یہاں مسلمان اور پاکستانی شہریت کو قومیت کی جگہ لیا جاتا ہے۔ علمی تعریف سے ہٹ کر بڑے بڑے دانشور، اخبارات، ٹی وی چینلز کا پاکستانی اور مسلمان کو ایک قوم وملت قرار دینا بالکل ایک تماشہ لگتا ہے۔ فرض کریں کہ عقل کے اندھوں کی مانند ہم بھی مان لیتے ہیں کہ مسلمان ایک قوم وملت اور بھائی بھائی ہیں تو پھر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عرب، ترک، فارس، چیچن، کرد زبان، رسم ورواج اور رہن سہن کے طریقوں سے الگ الگ کیوں ہیں؟ ماضی میں عرب قبائل نے مل کر ترک قبضہ گیریت کے خلاف سامراجی مفادات اور منشاء کو لے کر اپنی آزادی کی جنگیں کیوں لڑیں؟ مشہو ومعروف لارنس، جسے لارنس آف عربیہ کے نام سے جانا جاتا ہے ایک تاریخی حقیقت نہیں اور کیا عرب مسلمان ہونے کے باوجود ایک قوم ہوکر الگ الگ جغرافیائی حدود، مختلف ممالک کے حوالے سے پہچان نہیں رکھتے؟ ان تمام تر حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اگر ہم اس سامراجی کالونی کی طرف دیکھیں جس کا کالونیل ایجنٹ تاریخی کرایے کے سپاہی پنجابی تھانیدار ہیں۔

قوم کی تعریف پر پورا نہیں اترتے تو پھر دوقومی نظریہ کیسا۔ سندھی قوم اور سندھ دھرتی کی تقسیم مذہب کی بنیاد پر ہونا ہی کافی ہے۔ ہندو سندھی اور مسلمان سندھی اس سے بڑا ثبوت اور کیا ہوسکتا ہے اور اس کے فوراً بعد بلوچوں کی آزادی بھی اسلام اور مسلمان بھائی چارے کے پُرفریب تصور کے تحت دھوکے سے سلب کی گئی اس کرایے کے ٹولے کے نزدیک عقیدہ، مذہب، اسلام، جہاد، بھائی چارہ وغیرہ کی

حیثیت واحترام یا اپنے مفادات کے لیے مذہب کا شرمناک استعمال حقیقت واصلیت کیا ہے۔تو میرے خیال کے مطابق سمجھنے کے لیے یہ کافی ہوگا کہ قلات کی تاریخی مسجد پر گولہ باری سے لے کر جنرل ضیاءالحق کی زیرِ قیادت سعودی عرب میں شیعہ احتجاج کو کچلنے کے لیے خانہ کعبہ کے اندر بوٹوں سمیت گولیاں چلانا، ماضی میں صرف اور صرف امریکی مفادات کے لیے، اسلام، جہاد، اسلامی مجاہدین، امیر المومنین اور شہادتوں کا بھرپور پرچار کر کے ڈالر کمانا یا پھر آج انہی مجاہدین، اور اسلامی جانبازوں کو دہشت گرد قرار دے کر شمالی پختون علاقوں میں قتل عام کرنا سادہ لوح پختونوں کے جان ومال وعزت سے غیر انسانی طریقوں سے کھلواڑ کرنا ،لال مسجد پر ہزاروں معصوم اور بے گناہ بچیوں سمیت بمباری کرنا۔

ایسے متضاد اور شرمناک کارناموں کے مالک کیسے اور کیوں مسلمان یا اسلام کے ٹھیکیدار کہلائیں گے یہ اپنی جگہ ایک بہت بڑا سوال ہے۔انہی نام ونہاد اسلامی ٹھیکیداروں کے ہاتھوں بلوچ گلزمین پر قبضہ گیریت کی طرف دیکھتے ہیں تو حقیقی دو قومی تضاد نظر آتا ہے۔جس میں قابض پنجابی اور مقبوضہ بلوچ ہیں، پنجابی قبضہ گیریت جس میں بلوچ وسائل کی لوٹ مار، معاشی وتعلیمی ناکہ بندی، تاریخ وروایت کا مسخ کرنا، رسم رواج کو ملیامیٹ کرنا قتل عام وظلم وبربریت وغیرہ کو لے کر جدوجہد کرنے والی قوتیں ان تمام سامراجی اور ریاستی مفادات کے لیے بنائے گئے قوانین کی پرواہ کئے بغیر کوئی بھی جنگی اقدام عمل میں لاتے ہیں تو الاعلان اس کی ذمہ داری بھی قبول کرتے ہیں۔چاہے وہ قابض مسلح فورسز پر حملے ہوں یا بلوچ وسائل کی لوٹ مار کے لیے بنائے گئے تنصیبات پر حملے ہوں یا ریاستی ایجنٹ، مخبر یا ریاستی پالیسی کے تحت بلوچوں کو اقلیت میں بدلنے والے آبادکاروں پر حملے ہوں اور ساتھ ہی ساتھ ہر عمل کے جواز کو زمینی حقائق اور حالات کے تناظر میں علمی تشریح کے ساتھ پیش کر رہے ہیں جو ان کے حق اور راست ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہے۔جبکہ دوسری طرف دیکھا جائے تو قابض اپنا قبضہ برقرار رکھنے کے لیے جن غیر اخلاقی پالیسیوں کا سہارا لیتے ہیں اور ان پالیسیوں سے جڑے افراد، گروہ، ریاستی مخبر، ایجنٹ، اقلیت میں بدلنے والے آبادکار، قومی وسائل کی لوٹ کھسوٹ وغیرہ کو لے کر غیر انسانی اقدامات جن میں قید وبند، قتل وغارت گری، ظلم وستم، بربریت کا مظاہرہ کر رہا ہے ایک بار پھر ان تمام اقدامات کی پردہ پوشی کے لیے اسلام ومذہب کا سہارا لے رہا ہے۔مذہب کی آڑ میں کرایے کے ٹولے نے جو بلوچوں پر نیا وار کیا ہے۔اس میں سپاہ پاکستان کی جگہ سپاہ شہداء، چوہدری جاوید ضیاء کی جگہ نمازی امیر ابومسلم، بٹ، آرائیں یا چوہدری کی جگہ عبداللہ کا غیر اخلاقی استعمال کر کے اپنے باطل ہونے کا بہت بڑا ثبوت دیا ہے۔اتنی بڑی فوجی قوت کا مالک ہونے کے باوجود ایسے مصنوعی مذہبی تصورات کا سہارا لینا ان کی اخلاقی شکست کی نشاندہی کرتا ہے۔بلوچ پنجابی دوقومی تضاد کے آشکار ہونے کے ڈر کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی جنگی قوانین سے بچنے کے لیے قابض اب مصنوعی مذہبی تصورات کی آڑ لے کر ان بلوچ انقلابی کارکنان کو جن کی جدوجہد کی بدولت آج بلوچ پنجابی تضاد دنیا کے سامنے زیادہ نمایاں ہوتا جارہا ہے، ڈرانے اور جدوجہد سے دستبردار کرانے کی کوشش میں ایسے حربے استعمال کر رہا ہے، ردِعمل میں شدت سے جواب ہی قابض کی پالیسیوں میں بدلاؤ کا سبب بنے گا مگر یہ ضروری نہیں کہ وہ ایک قدم پیچھے ہوگا ہوسکتا ہے کہ وہ اس سے زیادہ غیر اخلاقی اور حیوانی طریقہ کار اپنائے جس کا امکان زیادہ ہے۔جو سب سے ضروری بات ذہن نشین کرنے کے لیے ہے وہ یہ کہ قابض کے ہر عمل کو جدوجہد کی راہ میں رکاوٹ سمجھ کر عبور کرنا اور جدوجہد جاری رکھنا ہے اور جدوجہد میں شعوری اور فکری ہم خیال قوتوں کو جلد از جلد ایک قوت کی صورت میں لاکر قومی اتحاد کا مظاہرہ کرنا ہے کیونکہ قابض دشمن کے ساتھ ساتھ آج تحریک کے لیے بلوچوں کے نام ونہاد سیاسی قوم پرست دکاندار اور قبائلی مفادات پرست قوت بھی دشمن کا کردار ادا کر رہے ہیں جبکہ کوشش بالکل دشمن کی طرح تحریک کو کمزور کر کے مفلوج بنانا ہے۔اور انقلابی کارکنان کو اخباری طوفان سے ہرگز مایوس اور بددل نہیں ہونا چاہیے کیونکہ اس منڈی میں اخبارات، زرد صحافت کے پیدا کردہ ریاستی ادارے ان کی گرفت نام ونہاد مفاد پرست سیاسی گروہ ان کے ریاستی داروں سے گٹھ جوڑ کو دیکھتے ہوئے دن رات امن اور سب کچھ ٹھیک ہے، کا رٹ لگانے والے اخبارات اور الیکٹرک میڈیا پر جب بلوچ اور بلوچ مسئلے بارے کوئی طوفان کھڑا ہوتا ہے چاہے وہ ریاست سے تضاد بارے ہو یا اندرونی مفاد پرستوں سے ٹکراؤ بارے جس کی کسی بھی طرح سے تشریح ہو بھیانک خانہ جنگی یا بلوچوں میں ٹوٹ پھوٹ کی نشاندہی کی خوف کی صورت میں ہو تحریک کے متحرک ہونے کا ثبوت ہوتا ہے۔اس ہلڑ بازی کا مقصد ہی مایوسی اور ابہام پھیلا کر تحریک کی صفوں میں جمود پیدا کرنا ہوتا ہے۔تو غور وفکر اور تحقیق لازمی ہے۔ انتھک محنت کے ساتھ ساتھ۔

2013 :ایک نئی تاریخ کی ابتداء

علی شیر

ایک منتشر سماج کو تاریخ کی مدد سے زوال پذیری سے روکا جاسکتا ہے یہ مختلف سماجی گروہوں کے درمیان سیاسی ،ثقافتی ومعاشرتی روابط کو تلاش کر کے قوم کو منظّم و یکجا کرنے کیلئے موقع فراہم کرتا ہے ۔بالخصوص نو آبادیاتی سماج میں حاکم طبقے کی ہمیشہ کوشش ہوتی ہے کہ لوگوں کا توجہ حقیقی مسائل سے ہٹا کر چند مراعات کے تحفظ میں ان کا توانائی ضائع کیا جائے ۔دکھ، اذیت ،تکالیف اور جی حضوری میں نوآبادیاتی باشندے اگر اپنی جانوں سے تک بھی ہاتھ دھو بیٹھیں، گھاٹے کا سودا نہیں۔ نوآبادیاتی اقدام آخر کیوں ہوتے ہیں؟ صرف اس لئے کہ لوگوں کو سیاست سے دور رکھا جائے ۔یہ جبر وتشدد کی کاروائیاں کس لئے ہوتی ہیں؟ تاکہ لوگ خوف کھا جائیں، مرعوب ہوجائیں اور سیاست سے کنارہ کشی اختیار کرلیں ۔اس لئے ایسے دور میں دراصل لڑائی ہی اسی نکتے پر ہوتی ہے کہ سیاسی عمل جاری رہے یا رک جائے ۔ایک طرف صحیح سیاست اور نیشنلزم کے علمبردار ہوتے ہیں ، جو اس مقصد کیلئے مصروف عمل ہوتے ہیں کہ سیاسی عمل جاری رہے اور دوسری طرف استعماری فوج اور اس کے حامی ہوتے ہیں، جو صحیح سیاست اور اس کے لوازمات پر شعوری اور غیر شعوری دونوں بنیادوں اور سطحوں پر قدغن لگانا چاہتے ہیں۔

مگر آج تیزی سے بدلتی دنیا کے ساتھ محکوم ومظلوم طبقات بھی تبدیلی وانقلاب کی جانب گامزن ہیں ۔لوگ حالات کی جبر کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کی بجائے حالات کو اپنے حق میں ڈالنے کیلئے سیاسی ،سماجی ومعاشی امور میں حصہ لے رہے ہیں۔ستم ظریفی یہ ہے کہ محکوم ومظلوم اقوام کا مزید استحصال کرنے کیلئے ان کے سامنے ہمیشہ من گھڑت تاریخ رکھ کر فرسودہ روایات ومذہبی جذبات چھوٹی چھوٹی مراعات کے تحت انہیں اس بات پر آمادہ کیا گیا ہے کہ وہ اپنے دکھ، درد، تکالیف ومظلومیت کے فکر سے دامن گیر رہنے کے بجائے عمر بھر صبر کریں ، کیونکہ یہ کسی مطلق العنان قوت کی جانب سے ان پر صادر ٹھہرا ہے، لہذا یہ اٹل وتاریخی فیصلہ ہے۔

جبکہ ان سب سے بڑھ کر لوگوں کی سیاسی خواہشات ہوتی ہیں جو انہیں متحرک کرتی ہیں اور سیاسی خواہشات ان کی مادی اور سیاسی دونوں خواہشات اور ضرورتوں سے مل کر ہی متشکل ہوتی ہیں ۔اور جب کوئی جماعت ان کی ان خواہشات کی تشفی کا مژدہ سناتی ہے تو وہ جوق در جوق اس کی تائید میں آن کھڑے ہوتے ہیں اور یہی جذبہ انہیں آزادی کی نعمت سے بہرہ ور کرتی ہے۔

لوگوں میں قومی شناخت پیدا کرنے کیلئے ضروری ہے کہ تاریخ کی مدد سے پورا سماجی نظام بدلے، فرسودہ روایات ومصنوعی ڈھانچہ تبدیل ہو، مذہبی جنونیت وملا کریسی کی جگہ سیکولر خیالات ہوں ، اندھی تقلید وعقیدہ پرستی کا شکار ہونے کی بجائے خود اعتمادی وقومی شعور کا بول بالا ہو۔محض جذباتی بنیادوں پر جزوقتی کام نکالنے کے بجائے طویل مدتی محنت سے ذہنی نشوونما کا اہتمام ہو۔تب جا کہ لوگوں میں تعصب

> ہمارا ماضی رجعت پسند مورخوں اور غیروں کے ہاتھوں تشکیل ہوا اور انہوں نے فرسودہ روایات اور نام نہاد اداروں کی تعریف کی اور حکمران طبقوں و سامراجی مفادات کا تحفظ کیا۔اس لئے ہماری نوجوان نسل ماضی کے دوسرے پہلوؤں سے ناواقف ہے اور وہ جھوٹ فریب تنگ نظری وخود غرضی کے سایہ میں پروان چڑھی ہے۔اور یہی چیزیں اس کے زہن میں سما گئی ہیں۔سندھی معاشرے کی طرح بلوچ معاشرہ کو بھی اس طرح تیار کرنے کا سامان کیا جارہا تھا کہ وہ کٹھ پتلی اقتدا کے حامل لوگوں کی عزت کریں، پیر، صوفیائے کرام وعلماء کے وفادار رہیں، ان کے پاؤں پڑیں اور آشیر باد حاصل کریں۔ایک طرف اسد واحسان شاہ جیسے ضمیر فروشوں کیلئے تعریفی کلمات کستے پھریں۔تو دوسری جانب پاکستانی علماء کو سر پر بٹھا کر ان کے سامنے سر تسلیم خم کریں، ان کی منافقت بھری ولفاظی کردار کے سامنے صرف اس بنیاد پر انگلی اٹھانے کی جراءت نہ کریں کیونکہ اسلامی تاریخ میں علماء نے کلمہ طیبہ بلند کیا تھا۔

،بیگانگی ،احساس کمتری ،خودغرضی اورخوف ولالچ جیسی اخلاقی برائیوں کا خاتمہ ہو سکتا ہے۔

بقول امریکی سیکریٹری آف ایجوکیشن کہ تاریخ ہی وہ آخری چیز ہے جوقوموں میں قوم ہونے کا احساس پیدا کرتی ہے۔ برطانیہ کی سابق وزیراعظم مارگریٹ تھیچر نے برطانوی مورخوں پرزوردیا کہ وہ ایسی تاریخ نہ لکھیں کہ جس سے برطانیہ کے کردار پرآنچ آئے ،کہ جس میں افسردگی وغم ہو، ناامیدی ومایوسی ہو،اس کے بجائے ایسی تاریخ لکھنی چاہیئے کہ جس میں حوصلہ ہو،اعتماد ہو۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

جرمنی کے کچھ لکھاریوں نے کہ جن کا تعلق سرکاری اداروں سے نہیں ہے،تاریخ کو ایک نئی شکل دی ہے۔ایسی تاریخ لکھنے کا سلسلہ شروع کیا ہے کہ جس کا تعلق لوگوں کی روزمرہ زندگی سے ہے۔سرکاری تاریخ کومسترد کیا گیا ہے اورحقائق کا پردہ فاش کیا گیا ہے۔مثلاً ہٹلراورنازی دورکی تاریخ کوانہوں نے عام لوگوں کے نقطہ نظر سے لکھا ہے اورتاریخ کے ایسے پہلوؤں سے پردہ اٹھایا ہے کہ جن کے بارے میں سرکاری یاپیشہ ورمورخ خاموش تھے۔

ایک لکھاری کیلئے ضروری ہوتا ہے کہ وہ حقیقی تاریخ کہ جس کا تعلق معاشرہ کی جڑوں سے ہوتا ہے واقعات کی تشریح نچلی سطح سے کریں ،ایک عام آدمی کے تجربات کو بیان کریں ،کہ جو سادہ انداز میں بات کرتا ہے اور عام انداز میں واقعات کودیکھتا ہے چونکہ ان کے بیانات میں حقیقت ہوتی ہے، یہ جومحسوس کرتے ہیں، وہ بیان کرتے ہیں اورانہیں اس کی کوئی خواہش نہیں ہوتی کہ وہ مبالغہ آرائی کرکے خودکوتاریخ میں ہیروثابت کریں ،اس لئے ان کے بیانات کی روشنی میں تاریخ کے عمل کوصحیح طور پرسمجھا جاسکتا ہے۔

مقبوضہ بلوچستان میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس قسم کی تاریخ لکھی جائے تاکہ ہمارے سماج میں جوتبدیلیاں آرہی ہیں انہیں سمجھا جاسکے۔اس لئے تاریخ سیاستدانوں، مصلحین اورسماجی کارکنوں کیلئے ایک انتہائی اہم ہتھیار ہے کہ جس کے زریعے وہ سماج اورلوگوں کے رجحانات ،خواہشات اورمنصوبوں کوسمجھ سکتے ہیں اورسماج کوجن مسائل کا سامنا ہے ان کے بارے میں واقفیت حاصل کر سکتے ہیں اور یہ کام حقیقی تاریخ پورا کرسکتی ہے، کیونکہ حقیقی تاریخ ہی میں لوگوں کے دلی جذبات ہوتے ہیں،ان کے دکھ وتکالیف ہوتے ہیں اوران کے عزائم ،ہمت و جرأت اورحوصلے بھی ہوتے ہیں کہ کس طرح عام بلوچ عوام نے قبضہ گیریت کے دور میں سختیوں کو برداشت کیا اور سامراجی حکمرانوں ،ان کے گماشتوں کے جبرو استبداد کے باوجود خودکو برقرار رکھا۔عوام میں زندہ رہنے کا حوصلہ باقی رہا جبکہ جھوٹ فریب، دھوکہ کا دورختم ہوا۔

ماضی کے کے بارے جاننا انتہائی ضروری ہے کیونکہ اس میں سماج کی سیاسی ،ثقافتی و معاشرتی جڑیں ہوتی ہیں۔لہذا اگر ماضی کے بارے میں ہماری معلومات ادھوری ہوں گی تو ہم اپنے حال کونہیں سمجھ پائیں گے اورنہ مستقبل کی بہتر طور پرتعمیر کرسکیں گے۔اس لئے یہ ضروری ہے کہ ماضی کی تشریح بھی اس طرح کی جائے کہ اس کے زریعے لوگوں میں شعوراجاگر کیا جائے ،لوگوں کوجاہل نہ رکھا جائے۔

ہمارا ماضی رجعت پسند مورخوں اور غیروں کے ہاتھوں تشکیل ہوا اورانہوں نے فرسودہ روایات اور نام نہاد اداروں کی تعریف کی اورحکمران طبقوں و سامراجی مفادات کا تحفظ کیا۔اس لئے ہماری نوجوان نسل ماضی کے دوسرے پہلوؤں سے ناواقف ہے اور وہ جھوٹ فریب تنگ نظری وخودغرضی کے سایہ میں پروان چڑھی ہے۔اوریہی چیزیں اس کے زہن میں سماگئی ہیں۔سندھی معاشرے کی طرح بلوچ معاشرہ کوبھی اس طرح تیارکرنے کا سامان کیا جارہا تھا کہ وہ کٹھ پتلی اقتدا کے حامل لوگوں کی عزت کریں، پیر،صوفیائے کرام وعلماء کے وفادار رہیں ،ان کے پاؤں پڑیں اورآشیرباد حاصل کریں۔ایک طرف اسدوا حسان شاہ جیسے ضمیرفروشوں کیلئے تعریفی کلمات کستے پھریں۔تو دوسری جانب پاکستانی علماء کوسر پر بٹھا کران کے سامنے سرتسلیم خم کریں ،ان کی منافقت بھری ولفاظی کردار کے سامنے صرف اس بنیاد پرانگلی اٹھانے کی جراءت نہ کریں کیونکہ اسلامی تاریخ میں علماء نے کلمہ طیبہ بلند کیا تھا۔

کتنی افسوسناک امر ہے کہ اس خودساختہ تاریخ کو پاکستانی مورخوں و دانشوروں نے بلوچ سماج میں اس طرح تھوپا اورمقدس بنادیا ہے کہ اس سے ذرا بھی انحراف کفر کے برابر سمجھا جاتا ہے۔

بلوچ اہل دانش وقلم کوچاہیے کہ وہ اس بات کی ضرورت کا ادراک کرکے اپنے ماضی کی ازسرنوتشکیل کریں۔قابض حکمرانوں،گماشتوں اورجعلی علماء کے کردارکوسامنے لائیں جنہوں نے ہمارے معاشرے کوارتقاءتو درکنار جامدرکھ کر ہمیشہ کیلئے غلامی کی تاریکیوں میں دھکیلنے کا اہتمام کیا۔

ہمارے ہاں ہر چیز سے بہت جلد متاثر ہونے کا منفی رویہ ازل سے عام ہے

۔حالات کا مکمل جائزہ اور تجزیہ کرنے سے قاصر مفادات وقت کو اہمیت دے کر حکمرانوں کے دم چلے بن جاتے ہیں۔اس سے مقتدرہ اور نام نہاد قوم پرست فائدہ اٹھا کر ایک طرف تو وہ اپنے بارے میں خوش کن اور اچھی تصویر پیش کرتے ہیں اور دوسری طرف اپنے نظریاتی مخالفین کے بارے میں من گھڑت قصے کہانیاں تراش کر لوگوں میں منافرت کا بیج بوتے ہیں۔

مثلاً ماضی قریب ،پنجگور میں اسد اللہ نے ہزار پندرہ سو چھوٹے موٹے سرکاری پوسٹوں کے عوض لوگوں کو بلیک میل کرنے کا ایک سلسلہ شروع کر رکھا تھا۔اور کچھ لوگ لاشعوری میں ان کی تعریفیں بھی کرنے لگے تھے۔مگر ذرا قومی تاریخی شعور آنے پر لوگوں نے ان کی سیاسی چال کو سمجھ کر اپنا ضمیر زندہ رکھنے کا عزم باندھ لیا۔

سامراجی حکمران طبقہ اس منفی رویے سے مستفید ہونے کی حد درجہ کوشش کرتے ہیں اور اس صورتحال میں لوگوں کے عزت ونفس کو مجروح کر کے خاطر خواہ طریقے سے بلیک میلنگ کارڈ کا استعمال عمل میں لایا جاتا ہے۔اسی لئے ان کی بھرپور کوشش ہوتی تھی کہ کسی بھی طرح عوام کو نعروں کی جادو کے زریعے غلط راستوں پر لے جایا جائے ،انہیں اپنے مخصوص مقاصد کیلئے استعمال کیا جائے اور لوگوں کے قومی جذبات کو ٹھنڈا کیا جائے ۔لوگوں کو نفسیاتی طور پر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ معاشرتی برائیوں ،قومی غلامی ،ناانصافیوں اور ظلم و بربریت کو برداشت کریں اور ان کے خلاف آواز نہ اٹھائیں۔

یاد رکھئے سامراجی حکمران خود کو نیک خصلت اور فرشتہ سیرت ثابت کرنے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں ،لوگوں کی ہمدردیاں حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور انہیں پیکجز ،ملازمتیں و مراعات کے بھینٹ چڑھانے کیلئے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔

اس منفی سیاسی رویے نے جہاں عوام کو وقتی طور پر بیگانہ و بے حس رکھا ،وہیں جا کر اس نے زیردست بلوچ قوم اور جامد بلوچ معاشرے کو طویل المدتی غلامی و بزگی سے چھٹکارا پانے کی طرف بھی توجہ دلوایا۔

حقیقی سیاسی قیادت و بلوچ دانشوروں نے اب تاریخ کو چند افراد کیلئے نہیں بلکہ معاشرے اور لوگوں کیلئے استعمال کرنا شروع کر دیا ہے۔اسی وجہ سے سیاسی تاریخ لکھنے والوں میں یہ احساس پیدا ہوا ہے کہ اس کو نئے سرے سے وسیع خطوط پر استوار کیا جائے اور اس کی کمزوریوں کو دور کر کے اس کو اس قابل بنایا جائے کہ اس میں حکمران اور افراد کے بجائے سماج کی تاریخ ہو۔چنانچہ آج اسے لوگوں میں شعور اجاگر کرنے کیلئے عمل میں لایا جارہا ہے۔

بلوچ تاریخ کو سامراجی دانشوروں و مورخین نے ہمیشہ قبائلی تاریخ سے تعبیر کیا ہے ۔قابض و استعماری طاقتوں سے نبرد آزما ہونے کی وجہ سے انہیں ہمیشہ سرکش و باغی اور جنگجو و جاہل کے القابات سے نوازا گیا ہے۔جبکہ برعکس اس کے اس تاریخی قوم کے تہذیب ،ثقافت ،رسم و رواج اور زبان اور روایات کو دانستہ طور پر نظر انداز کیا گیا ہے۔

بالکل اسی طرح جب ہندستان میں سامراج برطانوی اقتدار قائم ہوا تو وہاں بھی اس نقطہ نظر کو ورثہ میں پایا گیا۔وہاں کے قبائلی لوگوں کو باغی وسرکش گردانا گیا۔کیونکہ برطانوی مقتدرہ کی ان کے ساتھ مسلسل جنگ رہی جسکی وجہ سے ان کا رویہ مخالفانہ رہا مگر دوسری طرف ان کی بہادری اور جرأت کی تعریف بھی کی گئی۔

محکوم قوم کے مختلف قبیلے،جنہیں سرکش و باغی اور جاہل کہا گیا تھا درحقیقت دھرتی و قوم کے رکھوالے تھے،کی تاریخ سے مفروضوں کو نکال کر حقائق کو سامنے لایا گیا۔دنیا کے سامنے ان کی حقیقی تصویر آ گئی۔ان کی تاریخ اور ثقافت نے دنیا کے تہذیبی ورثہ میں اضافہ کیا،تاریخ میں انہیں باعزت مقام ملا تب ان کی رسم و رواج روایات کو حقارت کے بجائے عزت کی نگاہ سے دیکھا جانے لگا۔ان کی مزاحمت کو بغاوت ،سرکشی نہیں بلکہ آزادی کی جنگ کہا جانے لگا۔ان کی شجاعت وسخاوت کی تعریفیں کی گئیں۔

دشمن کی دی ہوئی تاریخ و تحقیق پر ہرگز بھروسہ نہیں کرنا چاہئے ،محض اسی کی بنیاد پر تاریخ لکھنا،تاریخ کے نظریات کو متاثر کرنا ہے ۔کیونکہ اس کے پس و منظر میں نوآبادیاتی نظام اور اسکی پالیسی ہوتی ہے۔اسی لئے بلوچ مورخوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی تحقیق کے زریعے تاریخ کو نئے سرے سے لکھیں کیونکہ اسی صورت میں ہم تاریخ کے زریعے لوگوں میں مثبت شعور پیدا کر سکیں گے۔

بلوچ سرمچاروں کو مزید تربیت کی ضرورت ھے

سمیر جیئند بلوچ

آج کی سائنسی دور میں دنیا کے ہر کامیاب شے پر نظر دوڑائی جائے وہ پریکٹیکل یا تربیت کے ہی مرہون منت نظر آئے گی۔ جہاں جہاں کامیاب یا نئی چیز ملے اس کے پیچھے یہی دونوں چیزوں کا ہونا از حد ضروری ہے۔ پس ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہر عمل کے لئے یہ ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ کامیاب لوگ اور ملک انہی کو اپنا کر آسمان کی بلندیوں کو چھوتی ہیں۔ جبکہ ان سے منہ موڑنے والے پشتاوے کے سوا ۔۔۔ پسماندہ رہ کر تاریخ کا حصہ بن جاتے ہیں۔ آیئے ہم مقبوضہ بلوچستان کے موجودہ جنگ آزادی میں بلوچ سرمچاروں کی جنگی حکمت عملی اور تربیت کا جائزہ لیتے ہیں کہ وہ موجودہ زمانے میں اس سے کس قدر فائدہ اٹھاتے ہیں۔ تاہم اس سے پہلے کچھ ماضی پر نظر دوڑاتے ہیں کہ انھوں نے پاکستان کے قبضہ کے بعد ان پینسٹھ سالوں میں چار مسلح جنگیں (انکے ساتھ) لڑیں۔ کیا کھویا؟ کیا پایا؟۔ (تاہم یہ حقیقت ہے کہ انھوں نے اپنے وجود کا احساس ضرور دیا کہ ہم بھی ایک آزاد قوم ہیں) تاریخ بتاتی ہے کہ بلوچوں نے پنجابی کے خلاف چار جنگیں تو لڑیں مگر وہ جنگ عدم تربیت اور منظم سیاسی تنظیم نہ ہونے کے باعث وقت سے پہلے جمود کا شکار ہوئے۔ مثلاً تربیت نہ ہونے کے سبب گوریلا جنگ کے برعکس وہ دشمن فورسز کے ساتھ مورچزن ہوکر دوبدو جنگ کا حصہ بن کر محازوں پر لڑتے رہے۔ جبکہ دوسرا اہم اور نقصاندہ وجہ اس کو بھی گردانا جارہا ہے کہ وہ بانگ دھل اور اللاعلان جنگ کا حصہ بن کر اپنے اصل شناخت کے ساتھ دشمن کے خلاف برسر پیکار رہے ہیں یہ خیال کئے بغیر کہ ہم گوریلا سپاہی ہیں نہ کہ ریگولر فوج۔ حالانکہ گوریلا اصول کے مطابق جنگ لڑا جاتا تو نقصان کم سے کم اٹھانا پڑتا۔ (میرے خیال میں یہی وجہ تھا کہ 1977 ستہتر کے جنگ میں بقول بابو شیر محمد مری: ہماری بچیاں اور خواتین لاہور کی منڈیو میں پنجابی حیوانوں کی طرح بیچتے تھے۔ جن میں سے کچھ بچیاں جنگ کے بعد میں نے واپس خریدے:) اس کے علاوہ بلوچ سرفروش باقاعدہ کسی تنظیم کے پابند یا دائرے میں نہ تھے جبکہ انکی جہد مخصوص قبائلی لوگوں کے گرد گھومتی تھی۔ اور یہی وجہ تھا کہ کوئی قبائلی رہنما جنگ سے تھک گیا تو اپنے قبیلہ کے لوگوں کو پہاڑوں سے اتارا اور وہ اس موقع کو غنیمت جان کر اتر گئے۔ اس حوالے سے ایک سرمچار کا واقعہ یاد آگیا کہتے ہیں کہ جنگ کے دوران رات کو سفر کے دوران کوئی بلوچ سرفروش گر پڑا تو اس دوران کچھ نازیبا الفاظ اپنے رہنما کے بارے کستے ہوئے کہا کہ میں کتنا پاگل ہوں ایسا محسوس کر رہا ہوں کہ پنجابی نے میری حکومت گرادی ہے؛ اس دوران ان بلوچ فرزندوں کی قربانیاں سر آنکھوں پر مگر ایک چیز واضح ہوتی ہے کہ انکی اکثریت اپنے مقصد سے اتنے واقف نہ تھے اور غلامی سے بے خبر ہاں وہ ایک چیز جانتے تھے کہ ہم فلاں سردار کیلئے لڑ رہے ہیں۔ یقیناً ہم کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنے مقصد آزادی سے اتنا شناسا نہ تھے ایک لمحے کیلئے اس کی ذمہ داری ہم اس وقت کے رہنماوں پر ڈالتے ہیں کہ وہ عوام کو آزادی کے بارے باخبر رکھنے میں ناکام رہے۔ کوشش نہ کی اگر کوشش کی تو عوام سمجھ نہ سکھے وغیرہ وغیرہ۔ آج اگر ہم موجودہ حالات میں اپنے بلوچ سرمچاروں کی کچھ غیر ذمہ دارانہ حرکات دیکھتے ہیں تو انتہائی گھٹن محسوس ہوتا ہے کہ وہ کیوں آج کے اس تربیت یافتہ دور میں بھی غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کر کے دشمن کیلئے آسان راہیں مہیا کرتے ہیں۔ دشمن انہیں آسانی کے ساتھ راہ سے ہٹا کر مذید انکے نیٹ ورک کو کمزور کرنے کیلئے اپنے کرایہ کے ٹٹوں کو چھوٹ دیتی ہے۔ اس عمل سے ظاہر ہے دشمن کے حوصلے بڑھتے ہیں اور اپنے ہمدردوں میں مایوسی پیدا ہونے کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ اس نقصان کیلئے ہم کس کو ذمہ دار سمجھیں؟ اپنے آپ کو؟، آزادی پسند جماعتوں کو؟، یا مسلح تنظیموں کو جن کی زیر نگرانی ہم جنگی ہنر سیکھتے ہیں؟۔ یہاں کئی سوالات جنم لیتے ہیں اور ان سوالات کے ممکنہ جوابات کیلئے ہمارے سرمچاروں انکے قیادت اور آزادی پسند سیاسی ورکروں کو سر جوڑ کر سوچنا ہوگا کہ کہاں اور کس وقت ہم نے اپنے پارٹی اصول چھوڑ دیئے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ یہ بھی سوچنا ہوگا کہ میں بحیثیت ایک آزادی پسند سرمچار کس مقصد کیلئے جنگی یا سیاسی تربیت لے رہا ہوں؟۔ میری ذات پر کیا ذمہ داری عاید ہوتی ہے؟ کہ میں اس قومی تربیت کا لاج رکھوں اور روزانہ اپنے معمولات زندگی کا جائزہ لوں کہ میں نے آیا اپنا دن کیسے گزار رہا ہوں اور کہاں میں نے غلطی کی اور کہاں اچھے کام سرانجام دیئے۔ اگر ہر سرمچار پچاس فیصد اپنے غلطیوں کا ازالہ کرے تو یقیناً قومی تحریک کم نقصان میں اپنے حقیقی احداف

حاصل کرنے میں کامیاب ہوگی۔جس طرح ہر سرمچار کی ذمہ داری اور فرض ہے کہ وہ ہر قدم سوچ سمجھ کر اٹھائیں اس سے دوگنا ان میں آزادی پسند تنظیموں و آزادی پسندوں پارٹیوں پر زمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ تعداد بڑھانے کے بجائے ہر سرمچار و سیاسی ورکر کا انتخاب کرنے میں جلد بازی نہ کریں۔ مانا کہ آزادی پسند مسلح تنظیموں اور سیاسی جماعتوں میں مختلف الخیال (ہر طبقہ، فرقہ، مذہب، کے علاوہ قبائلی، سیاسی، شوقیہ، خاندانی، ذاتی تعلق کے)لوگ موجود ہیں۔ تاہم ان تمام کو مختلف مراحل سے گزار کر ایک ہی سوچ یعنی نظریہ سے لیس کر کے قومی فوج بنانا ہوگا۔ اگر اس جانب نہ سوچا گیا اور دیر لگائی گئی تو گھاٹے کا سودا ہوگا ہر کوئی یہ سمجھے گا کہ میں تو رضا کار ہوں اپنے حصہ کا کام کر کے اپنا راہ لوں۔ قومی سوچ پر برے اثرات مرتب ہونے کا ڈر منڈلاتا رہے گا۔ جیسا کہ میں نے ماضی کے چار جنگوں میں حصہ لینے والے کچھ بلوچ سرفروشوں کی ذاتی کمزوریاں بیان کی کہ شاید ہم کہتے ہیں کہ تربیت کے فقدان کے سبب ایسا ہوا تھا۔ مگر آج انتہائی زیرک سیاسی قائدین کے ہوتے ہوئے جنگی ہنر اور تربیت کے باوجود ایسے ایسے قومی راض افشاں کرنے، کسی کاروائی میں دشمن کے ساتھ اپنے ہمدردوں کو نقصان پہنچانے، بلوچ کے نام پر چندہ کے بازگشت، اور منشیات پینے اور پلانے کی آواز مختلف اوقات میں سننے کو ملتی ہے یا چوری چکاری کے واقیات وہ بھی منظر عام پر آتی ہیں جو کہ حیرت اور افسوس ناک عمل ہیں۔ ہمارے مسلح تنظیموں کا کام ہے کہ وہ ایسے کالے بھیڑیوں کو تلاش کر کے اپنے صفوں سے غائب کریں جیسا کہ دشمن اور قومی غداروں کے ساتھ ہو رہا ہے میرا ذاتی رائے ہوگا کہ ان کے ساتھ اس سے بھی برتر سلوک رکھا جائے تو عین انصاف ہی ہوگا۔ دوسری ذمہداری بھی ان تنظیموں پر عائد ہوگی کہ وہ ہر آزادی پسند سرمچار کو اسلحہ کے ساتھ ساتھ ذہنی بارود سے بھی لیس کر کے جنگی میدان میں چھوڑ دیں جب تک علم، ہنر، شعور، اور فکری پختگی کسی میں نہ آئے اس وقت تک اس سرمچار کو رزرو رکھا جائے اور قومی ذمہ داری سے دور رکھا جائے وہ اس لئے بھی کہ اس سے نہ صرف وہ ذائع ہوگا بلکہ قومی تحریک کیلئے بھی مشکلات پیدا کرنے کا سبب بنے گا۔ الغرض بلوچ سرمچار اور انکے ہمدردوں کی قومی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ماضی کا جائزہ لیکر آگے اپنے منزل کا تعین کریں۔ دیکھیں کہ کہاں پھول اور کانٹے ہیں کانٹوں سے اپنے آپ کو بچا کر آگے قدم بڑھائیں۔ اور یہ بھی ہر سرمچار کی ذمہ داری ہے کہ اپنے اور عوام کے ہر چیز کو کو نقصان پہنچائے بغیر اپنے اصل اہداف (یعنی دشمن کو زیر کریں) حاصل کریں۔

انقلابی رہنماؤں کو عموماً اپنے نوعمر بچوں کے ابتدائی متاعمل الفاظ سننا نصیب نہیں ہوتے۔ اگر انقلاب کو اپنے مقصد تک پہنچنا ہے تو ان کی بیویوں کو بھی قربانی میں حصہ ڈالنا ہوگا۔ انقلاب کے ساتھی ہی ان کے دوست ہوتے ہیں۔ ان کے لیے انقلاب سے باہر کوئی زندگی نہیں ہوتی۔ اگر انہیں اعتقادی نہتاؤں، بانجھ تعلیم اور لوگوں سے علیحدہ ہونے سے بچنا ہے تو پھر انسان دوستی کے جذبات نیز انصاف اور سچائی کے احساسات سے لبریز ہونا ہوگا۔ انہیں زندہ انسانوں کے لیے پیار کو عملی اقدامات میں تبدیل کرنے کے لیے روزانہ جدوجہد کرنا ہے۔ یہ اقدامات دوسروں کے لیے تحرک انگیز اور نمونہ ثابت ہوں گے۔

☆☆☆☆ **چے گویرا** ☆☆☆☆

همہ جہت شخصیت کے مالک شہید درویش

مہراب مہر بلوچ

دنیا کی تاریخ وقوموں کی تاریخ میں کچھ ایسے کردار ہوتے ہیں کہ جن کے بارے لب کشائی کرتے یا لکھتے وقت ہونٹ کپکپاتے ہیں ہاتھ لرز جاتے ہیں، انھیں یہ عزت وعظمت انکی مخلصی، وطن دوستی، جدوجہد، قربانی، نیک نیتی و فیصلہ کرنے کی قوت عطا کرتی ہے اور وہ معاشرے وقوم میں سرخرو ہوکر ہر دور میں روشن ستارے کی طرح چمکتے نظر آتے ہیں۔ آج میں ایک ایسے ہی کردار کے بارے میں اپنی کچھ یادیں قلمبند کرنے کی کوشش کرونگا اور حد درجے تک میری کوشش ہوگی کہ ایسے کردار کے بارے میں لکھتے وقت اس کے ساتھ انصاف کرسکوں۔ یہ نوجوان جسکی تاریخ پیدائش بھٹو آمریت کے اختتام پر دسمبر کے مہینے میں موسیٰ خیل میں ہوئی تھی۔ کیونکہ بلوچ جنگ آزادی کی وجہ سے کوہلو علاقے میں فوجی آپریشن کی وجہ سے انکا خاندان نقل مکانی کرکے موسیٰ خیل میں پناہ گزیں ہوئے تھے۔ اور اس دوران جوں ہی وہ معاشرے کی پیچیدگیوں سے واقف ہوتا رہا۔ تو اسے ہر طرف اپنے قبیلے سمیت بلوچ سرزمین پر ظلم وستم کے داستانیں سننی پڑی۔ قبائلی گھریلو معاشرے جو شہر کی تمام سہولتوں سے محروم اس نوجوان کی تربیت بلوچ سرزمین کی کھلی میدانیں، پہاڑوں کی چوٹیاں وفطری قانون نے کی اور اسی دن سے اپنی سرزمین پر اسے بھٹو آمریت کے زخم خردہ پہاڑ، میدانیں جنگلات ملیں۔ جنھیں پاکستانی آرمی نے تہس نہس کردیا تھا، ان حالات کا جائزہ اس چھوٹے سے بچے نے کیا اور یہی سے اسے اپنے وطن کی غلامی کا احساس ہوا اور پھر بارہ سال کی عمر میں بلوچ قومی تحریک آزادی سے وابستہ ہوگیا اور اپنی شہادت تک تحریک آزادی میں اپنا کردار ادا کرتا رہا۔

یہ نوجوان بازمحمد مری عرف درویش ولد شیر محمد مری تھا۔ جو کہ مری قبیلے کے مندانی شاخ سے تعلق رکھتا تھا۔ قومی تحریک نے مجھے آزما کر شہر کی پُرآسائش زندگی سے میرا رخ پہاڑوں پر موجود میرے دوستوں کی طرف کی۔ تو اس نوجوان سے دسمبر کی ٹھنڈی راتوں میں پہاڑوں کی چوٹی پر رات کے قریبا نو یا دس بجے ملاقات ہوئی۔ میرے یاداشت کے مطابق یہ دسمبر کی دو یا تین تاریخ تھی۔ نہ اس وقت میں اس نوجوان سے محوگفتگو ہوا اور نہ ہی اسے پہلے میں اسکے بارے میں سن چکا تھا اور نہ ہی اس سے پہلے مل چکا تھا۔ پہاڑوں کی پرکھٹن لیکن ذہنی طور پر پرسکون ماحول میں قریبا ایک سال تک اس نوجوان کے ساتھ وقت گزارنے کا موقع ملا۔ شہید درویش اسے جو عرف بلوچستان کے پہاڑوں میں موجود اسکے دوستوں نے دی تھی واقعی وہ درویش صفت تھا، اور یہ نام بھی اسے اسکے اوصاف کی وجہ سے ملا۔ شہید اس وقت جو کہ ہمارے ساتھ تھا۔ ہمیں وہم وگمان تک نہ تھا۔ کہ یہ نوجوان ایک عظیم مقصد کے تحت عظیم کام کے سلسلے میں آیا ہے۔ شاہد اس وقت اگر ہمیں اندازہ ہوتا تو اسکی قدر وعزت حد سے زیادہ بڑھ جاتی لیکن خدا گواہ ہے۔ کہ اس نوجوان نے پورے ایک سال کے دورانیے میں کبھی بھی کسی بھی وقت ایک لمحے کیلیے ہمیں یہ احساس تک نہ دی کہ وہ ایک عظیم کام کرنے کے سلسلے میں آیا ہے۔ اسکی شہادت کے بعد آج تک میں یہی سوچتا ہوں کہ وہ کتنا عظیم انسان تھا۔ کیونکہ وقت وحالات میں ہر انسان ایک لمحے کے لیے غرور وتکبر میں آجاتا ہے۔ جب بھی کوئی دوست اچھا عسکری کام سرانجام دیتا تو اسکی باتوں وعمل سے اکثر یہی محسوس ہوتا کہ یہ عسکری کام کرنے کے بعد وہ اپنے آپکو دوسرے دوستوں سے منفرد سمجھتا۔ اور فطری قانون بھی انسان میں یہی خوبی وخامی پیدا کرتی ہے۔ لیکن اس نوجوان میں ایسا کچھ بھی نہ تھا۔ اس نے فطری قانون کو بھی مات دے دی تھی۔ وہ انتہائی معصوم چہرہ درمیانہ قدساولی رنگت کا مالک نوجوان تھا۔ عسکری حوالے سے وہ بارہ سال کی عمر میں بلوچ قومی جدوجہد میں شامل ہوا تھا۔ بائیس سال تک مسلسل بلوچ جہد آجوئی میں مختلف کیمپوں میں اپنا کردار ادا کرتا رہا۔ بلوچستان کے بلند و بلا پہاڑ اسکی وجود کو آج بھی محسوس کررہے ہیں اور بلوچ وطن آج بھی اسکی خوشبو سے محظوظ ہورہی ہے کیونکہ اسکے خون کے چھینٹے ہوا میں تحلیل ہوچکے ہیں۔

ویسے خودکش وخودکشی کرنے والے میں معمولی سا فرق ہوتا ہے خودکشی کرنے والا ردعمل میں آکر جلد بازی میں مرنے کا فیصلہ کرلیتا ہے اور زیادہ تر خودکشی کرنے والے ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں اور ڈپریشن کی وجہ سے دیگر نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوجاتے ہیں۔ اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہوکر وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کرلیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔ جبکہ خودکش حملہ آور ان تمام

چیزوں سے پاک ہوتا ہے وہ عظیم مقصد وطن کی آزادی کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے وہ خودکش حملہ کرنے کا فیصلہ جلد بازی میں نہیں کرتا بلکہ شعوری طور پر سوچ وسمجھ کے تحت اپنے آپکواس کام کے لیے رضا کارانہ طور پر پیش کرتا ہے اسے زندگی سے بہت محبت ہوتی ہے اور وہ زندگی کی ہر خواہش وسہولیات سے مستفید ہوتا ہے لیکن وطن کی غلامی کا احساس اسکی شعور اسے دے دیتی ہے وہ شعوری طور پر اتنا مضبوط ہوتا ہے۔ کہ خودکش حملہ کرتے وقت اسکے چہرے پر مسکراہٹ بکھرتی ہے۔ اور شہید درویش بھی شہادت کے لیے مسکراتے ہوئے شہادت کے رتبے سے بغل گیر ہوا۔

ٹی وی چینل پر ایک ڈاکومینٹری فلم جو کہ فلسطینی خودکش حملہ آوروں کے حوالے سے تھی دیکھنے کو ملی۔ اس میں زیادہ تر خودکش حملہ آور ردعمل کے طور پر خودکش حملہ آور بنے تھے اور زیادہ تر خودکش حملہ آور اپنے باپ بیٹے بہن بھائی یا قریبی عزیز کے موت پر ردعمل کے طور پر خودکش حملہ آور بنے تھے۔ اور ساتھ ساتھ یہودیوں کو قتل کرنے کے حوالے سے انمیں مذہبی جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اور اسی تناظر میں عراق و طالبان کی مثال دی جاسکتی ہے۔ جو کہ مذہبی سوچ کے تحت یہ عمل کر بیٹھتے ہیں۔ لیکن یہ بلوچ نوجوان جو کہ تین بچوں کا باپ تھا۔ نہ کہ مذہبی سوچ و نہ کہ ردعمل کے طور پر خودکش حملہ آور بنا تھا بلکہ صرف اور صرف وطن سے غلامی کا خاتمہ اور آنے والے نسلوں کو آزاد سماج میں سانس لینے کے لیے رضا کار کے طور پر اپنے آپکو خودکش حملہ آور بنا تھا۔ ایک دو سال کے دورانیے میں شہید درویش نے دو تین بار اپنے آپکو رضا کارانہ طور پر خودکش حملہ کرنے کے لیے پیش کر چکا تھا۔ لیکن ہر بار تنظیم اسکے شعوری فیصلے کی تائید نہیں کی۔ دو تین دفعہ خواہش ظاہر کرنے کے بعد اسکے فیصلے کو مان لیا گیا تو پھر ایک سال تک وہ اپنی کاروائی کا انتظار کرتا رہا۔ تین بچوں کا باپ ہونے کے بعد اسکے اس فیصلے نے یہ ثابت کر دی کہ جب جذبہ آزادی ہو تو قربانی کے سامنے کوئی جواز اہمیت نہیں رکھتی۔ اور اس نے ثابت کر دی کہ قربانی کس طرح دی جاتی ہے۔

ہم کام کے سلسلے میں کئی گئے تھے ریڈیو نہ ہونے کی وجہ سے ہمیں کچھ دوستوں اس کاروائی کے بارے میں پتہ نہیں تھا۔ جب سال کے پہلے دن ہم دوستوں کے پاس پہنچے تو دوستوں نے اس کاروائی کے بارے میں ہمیں اطلاع دی۔ جب اسکی شہادت کی خبر میں نے سنی کہ یہ شہید درویش تھا تو میں دھنگ رہ گیا۔ اور میں حیرت میں پڑ گیا کہ یہ نوجوان اتنا عرصہ ہمارے ساتھ رہا۔ گاڑی چلانا سیکھ گیا ہمیشہ ریڈیو پر خبریں غور سے سنتا رہا اور پورا ایک سال تک اپنی موت کا انتظار کر رہا تھا۔ واقعی ایسے لوگ شاذونادر اس دنیا میں دیکھنے کو ملتے ہیں۔ جو اپنے فیصلے کے بعد سے لیکر یعنی شہادت تک ایک سال تک اس ماحول میں جی رہا تھا۔ جہاں ہر وقت خوشی وغم

ویسے خودکش وخودکشی کرنے والے میں معمولی سا فرق ہوتا ہے خودکشی کرنے والا ردعمل میں آکر جلد بازی میں مرنے کا فیصلہ کر لیتا ہے اور زیادہ تر خودکشی کرنے والے ڈپریشن کا شکار ہوتے ہیں اور ڈپریشن کی وجہ سے دیگر نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور نفسیاتی بیماریوں کا شکار ہو کر وہ اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتے ہیں۔ کیونکہ زندگی ان کے لیے بوجھ بن جاتی ہے۔ جبکہ خودکش حملہ آور ان تمام چیزوں سے پاک ہوتا ہے وہ عظیم مقصد وطن کی آزادی کے لیے اپنی جان قربان کر دیتا ہے وہ خودکش حملہ کرنے کا فیصلہ جلد بازی میں نہیں کرتا بلکہ شعوری طور پر سوچ وسمجھ کے تحت اپنے آپکو اس کام کے لیے رضا کارانہ طور پر پیش کرتا ہے اسے زندگی سے بہت محبت ہوتی ہے اور وہ زندگی کی ہر خواہش وسہولیات سے مستفید ہوتا ہے لیکن وطن کی غلامی کا احساس اسکی شعور اسے دے دیتی ہے وہ شعوری طور پر اتنا مضبوط ہوتا ہے۔ کہ خودکش حملہ کرتے وقت اسکے چہرے پر مسکراہٹ بکھرتی ہے۔ اور شہید درویش بھی شہادت کے لیے مسکراتے ہوئے شہادت کے رتبے سے بغل گیر ہوا۔

کے سائے منڈلاتے ہیں۔اوران حالات میں کبھی بھی اسکے چہرے پرشکن دیکھنے کو نہ ملا۔شاہد ہی درویش جیسا کوئی اورنوجوان پیدا ہو۔لیکن وہ شہید درویش جیسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ہرانسان کی حیثیت وقدر و قیمت دوسرے انسان سے مختلف ہوتی ہے۔شہید کو نہ جنت کی خواہش تھی و نہ کہ وہ ردعمل کے طور پر تیار ہوا تھا۔اسے صرف اورصرف بلوچ وطن کی آزادی عزیز تھی۔اور وہ اپنے خون دھرتی ماں کا قرض ادا کرنا چاہتا تھااوراس نے کرکے دیکھادیا۔

پہاڑوں کی پرکھٹن زندگی بھی عجیب وغریب ہوتی ہے وقت وحالات کسی بھی وقت کوئی بھی رخ اختیار کرلیتے ہیں۔اورچھوٹی سی چھوٹی باتوں پر ماتھے پرشکن آجاتے ہیں۔لیکن اس درویش صفت کے مالک شہید درویش کے ماتھے پر ہمیشہ خوشیوں کی پرچھائیاں تھی۔ایک سال کے دورانیے میں اسکے چہرے پرکبھی بھی غم وغصہ کے آثار دیکھنے کونہیں ملے۔اس نے اتنا بڑا فیصلہ جوکیا تھا۔اورانھی صفات کے مالک ہی ایسے فیصلے کرپاتے ہیں۔عسکری حوالے سے شہید درویش عجیب رویوں کا مالک تھا پورے ایک سال کے دورانیے میں مجھے کبھی بھی یادنہیں پڑتا کہ انھوں نے ایک لحمے کے لیے بھی بغیر امیل و بندوق کے دیکھی ہو۔بعض دفعہ لمبے سفر کے بعد تھک جاتے تو پورابدن پسینے سے شرابور ہوتا۔توان حالات میں بھی میں نے کبھی بھی شہید کوبغیر امیل و بندوق کےنہیں دیکھا بلکہ بعض دفعہ میں نے اس سے کہا بھی، کہ آپ امیل کواتاردیں تاکہ پسینہ خشک ہوجائے۔تو سوائے مسکراہٹ کےکوئی جواب نہیں ملتا۔انھوں نے محسوس کی تھی۔کہ امیل اسکے بدن کا حصہ ہےاور بندوق اسکا ہاتھ۔ اور یہ صفت بہت ہی کم سرمچاروں میں دیکھنے کوملتی ہے۔اورشہید درویش جیسے عظیم انسان ہی کم ہونگے۔جوایک لمحے کے لیے بھی غرور وتکبر میں نہیں آئے۔اوراپنے شعوروآگہی سے انتہائی رازداری کے ساتھ اپنے فیصلوں کو چھپاتے ہیں۔پہاڑوں کی زندگی میں سختیاں وتکالیف کا آماجگاہ ہیں۔لیکن باشعور و کمٹڈ انسان ہی ان حالات میں خوش رہ سکتا ہےاورشہید درویش معاشرے کی پیچیدگیوں سمیت شعور کی اتھاہ گہرائیوں سےان حالات کو بائیس سال تک برداشت کرتا چلا آیا تھا۔اور ان حالات میں جہاں دشمن بلوچ قوم کو پے درپے لاشوں کا تحفہ دے رہا تھا۔تو دشمن کوشکست دینے کے لیے خودکش حملہ آورسب سے زیادہ کارآمد ثابت ہوتا ہے اور بقول دوستوں کے کبھی بھی انھوں نے اپنے ٹارگٹ کے حوالے سے خواہش ظاہرنہیں کی۔اس نے یہاں پربھی عظیم سے عظیم تر اپنے کردار کو دہرایا۔کیونکہ انسان کوبعض اوقات اپنے ٹارگٹ کے حوالے سے خوشی وغم کے احساسات کا سامنا کرنا پڑتا ہےلیکن انھوں نے قومی فوج کے ذمے سب کچھ چھوڑ دی تھی۔کہ جوبھی فیصلہ کیا جائے گا وہ اس پرعمل درآمد کرے گا۔اورانھوں نے ایسا ہی کیا۔ایسے کردار شعور کی اتھا گہرائیوں میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہی شخص شعور وآگہی کی حقیقت سے آشنا ہوتے ہیں۔اور اپنی ذاتی خواہشات کو وطن کے لیے قربان کرتے ہیں ایسے فکری و پختہ شعور کے مالک نوجوانوں کوصحیح راستوں کی طرف لے جاتے ہیں۔ویسے مرتے توسب ہیں اور ہرانسان چاہے وہ سرمچار ہو یا کہ کوئی اور انسان،موت کی حقیقت سے آشنا ہوتا ہےاورخصوصا سرمچار جس کے سر پر ہروقت موت کے رستر منڈلاتے رہتے ہیں۔اور ہرکاروائی میں ان کا واستہ موت کے رستر سے ہوتا ہے۔لیکن ہرسرمچار خودکش حملہ آور بنے سے کتراتا ہے۔کیونکہ وجہ یہی ہے۔کہ اسکے لاشعور میں کئی بھی زندہ رہنے کا خواہش ہوتا ہے۔وطن کے لیے وہ بھی لڑتا ہےاوراسے بھی کسی بھی وقت موت آسکتی ہے۔لیکن مرنے کا فیصلہ کرنا کہتے ہوئے بہت آسان ہوتا ہےلیکن اس پرعمل درآمد کرنا ہرایک سرمچار کی بس کی بات نہیں ہوتی۔جب تک وہ شہید درویش جیسے فکروسوچ شعورآگہی کا مالک نہیں ہوتا۔ویسے دنیا کے بادشاہوں نے ہمیشہ زندہ رہنے کے لیے آب حیات حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا انھوں نے دنیا کی خاک چھانی لیکن انکی خواہش پوری نہ ہوسکی۔اورموت کی خواہش نہیں بلکہ شعوروآگہی کی پرورش کے لیے شہید درویش جیسے لوگ ہرسہولت وآسائش کو پاؤں تلے روندتے ہوئے وطن کے لیے مرمٹتے ہیں۔تاکہ اپنی آنے والی نسلوں کوآزاد معاشرے میں سانس کا شعور دے سکیں۔اتنے عظیم کام کا فیصلہ کرنے والاشخص پہاڑ کی زندگی کے تمام اتارچڑھاؤ سے بخوبی واقف تھا۔اوراتنا عظیم فیصلہ کرنے کے بعدکیمپ کے تمام کاموں میں بھر پورحصہ لیتا تھااورکبھی بھی کسی پر یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی۔کہ اسے ڈیوٹی سے لیکر یا کوئی اور کام نہیں کرنا چاہیے۔کیونکہ آج وہ زندہ ہے کل وہ شہید ہوگا۔ بعض دفعہ میری ڈیوٹی کے بعد مجھے شہید درویش کو اٹھانا پڑتا تھا۔لیکن ایک سال کے دورانیے میں کئی دفعہ میری ڈیوٹی شہید درویش سے پہلے ہوتی تھی۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے کہ ایک رات بھی مجھے یہ موقع نہیں ملا۔کہ میں اسے نیند سے اٹھا سکوں کیونکہ رات کے ہر پہر میں میری ڈیوٹی ہوتی۔تو میری ڈیوٹی ختم ہونے سے پہلے ہی پانچ منٹ پہلے ہی پہنچ جاتا۔ میں پوچھتا کہ گھڑی الارم پہ رکھی تھی۔تو

جواب آتا نہیں، ''من ہنچو وت کھڑو باں'' یہ عسکری خوبی بہت ہی کم لوگوں میں ہوتی ہے۔اور ایک دفعہ دوستوں کی کمی کی وجہ سے انھوں نے سات گھنٹے ڈیوٹی کی۔ انھوں نے صبح ڈیوٹی دی تھی۔ جب ڈیوٹی کا وقت آیا۔تو دوست گھڑی کو دیکھ کر فیصلہ کرنے کی کوشش کررہا تھا کہ کس کو ڈیوٹی پر مامور کریں۔کیونکہ سارے دوست ڈیوٹی دے چکے تھے۔اور دیگر کاموں میں مصروف تھے۔تو فیصلہ سے پہلے ہی شہید درویش اٹھ کر ڈیوٹی پر چلا گیا دوستوں نے منع کیا کہ ہم جائینگے لیکن شہید فیصلہ کر چکا تھا۔اور یہی فیصلہ کرنا ہی اسے آج اتنا عظیم بنا چکا ہے۔اور ایسے خوبیوں کے مالک ہی ایسے کام کر بیٹھتے ہیں۔جنھیں ہمیشہ کے لیے عسکری، سیاسی وسماجی دنیا یاد کرتی ہے اسکی شخص کا ایک پہلو یہ بھی تھا۔کہ وہ ریڈیو سے بہت زیادہ محبت کرتا تھا۔اور ریڈیو پر خبریں بہت غور سے سنتا تھا اور بعد میں اس پر بحث مباحثہ کرتا تھا لیکن کم گو تھا۔ بہت زیادہ دوستوں کو سنتا تھا۔لیکن جب بولتا تھا تو ایک باشعور باعلم شخص کی طرح بولتا تھا۔اور دوستوں کو اپنی بات سمجھاتے وقت اکثر پرانے قصوں کو یاد کرتا۔ اور دوستوں کو قصے کے ساتھ اپنی باتیں سمجھاتا۔جب کسی مزاحیہ بات پر ہنستا تو ایسا محسوس ہوتا۔کہ وہ دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ہنستا۔اور اس مزاحیہ بات یا قصے کی تہہ تک پہنچ کر لطف اندوز ہوتا۔ایسے عظیم کردار و ہمہ جہت شخصیت کے مالک شخص شاذ و نادر پیدا ہوتے ہیں۔اور اپنے رویوں کردار و عمل سے ایسے کام کر گزرتے ہیں۔جو صدیوں تک لوگوں کے دلوں میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں یہ عظیم شخص جس نے عظمت کا رتبہ جو حاصل کیا جو بلوچ قوم کا تاجدار ہے جس نے شہید مجید اول کے بعد بلوچ عسکری روایات میں خودکش حملہ آور کے تسلسل کو زندہ کیا۔ اور تمام شہیدوں سے اوپر اپنا مقام بنانے میں کامیاب ہوا۔تمام شہیدوں کی قدر و عزت ہر ایک شہید سے مختلف ہوتی ہے۔تمام شہدا کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔لیکن جو لوگ ایسے فیصلے کرتے ہیں۔انھیں بلوچستان کے تمام شہیدوں سے اوپر کا درجہ حاصل کر لیتے ہیں۔کیونکہ انکے کام کی نوعیت، عمل، قربانی کے جذبہ، خلوص و فیصلہ منفرد ہوتا ہے۔اور اپنے آپکو دشمن کے خلاف یہ حیثیت خودکش حملہ آور رضا کارانہ طور پر تیار کرتا ہے۔ حملے سے کچھ دن پہلے جب وہ ہم سے رخصت ہوا۔تو ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ کوئی سالونک ہو۔اسکا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔لیکن کچھ دن کے بعد وہ واپس آ گیا۔ہم نے یہی سمجھا کہ وہ گھر گیا تھا اور اب واپس آ گیا۔لیکن اصل میں اسکا ٹارگٹ اس سے دور جا چکا تھا۔لیکن کچھ دنوں کے بعد جب وہ واپس چلا گیا۔تو اس دن اسکے چہرے پر خوشی کے پرندے چہچا رہے تھے۔اور ہم سے الوداع کہتے ہوئے وہ ہنستا ہوا چلا گیا۔بقول دوست کے جب اس نے مجھ سے آخری الوداعی ملاقات کی۔تو میں نے پوچھا آپکی زندگی کی کوئی خواہش یا کوئی ایسا کام جسکی توقع آپ ہم سے کرتے ہیں۔تو انھوں نے جواب دیا۔کہ میں آپ لوگوں سے کوئی امید نہیں رکھتا۔جو مناسب ہوگا وہ میرے کہنے کے بغیر ہی کرینگے۔ میرے بچے دوسرے شہیدوں کے بچوں کی طرح ہے اگر آپ سنبھال سکیں تو ٹھیک ہے نہ سنبھال سکیں تو مجھے کوئی پریشانی، تکلیف و حرج نہیں ہوگی۔لیکن پھر بھی آپ کچھ تو کہیں۔تو انھوں نے کہا تھا کہ یہ تو مفاد پرستی نہ ہو پتہ نہیں کہ میں صحیح ہوں یا غلط۔لیکن میں آپ دوستوں سے کچھ نہیں چاہتا۔ بار بار ضد کرنے پر تو انھوں نے کہا تھا۔کہ اگر آپ لوگوں سے ہوسکا۔تو میری ماں کا خیال رکھنا۔ایسے انسان اپنی شعور علم دانش سے لبریز ہوکر ہی ذاتی مفادات کو اجتماعیت کیلیے قربان کر دیتے ہیں۔اور ایسے ہی کردار قوموں کی تقدیر بدلتے ہیں۔اور جدوجہد کیلیے نئے راہیں متعین کرتے ہیں۔شاہد ہی کوئی اور ایسا بلوچ فرزند ہو جو شہید کے تسلسل کو برقرار رکھ سکے اور بلوچ وطن کی آزادی میں اپنا منفرد کردار ادا کر سکیں۔آج بلوچ وطن کے تمام شہیدوں میں افضل و عظیم شہید رتبے کا مالک اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے ایک ایسا فیصلہ کر لیا جو کہ دوسرے نہ کر سکیں۔ایسے شہیدوں کے قبریں نہیں ہوتے۔ بلکہ اسکے خون کے چینٹے ہوا میں تحلیل ہوکر بلوچ وطن کی خوشبو بن چکے ہیں۔اور بلوچ وطن کی فضا میں ہر جگہ وہ ہر لمحہ وہ موجود ہیں۔اور ایسے ہی شہیدوں کے بارے میں عطا شاد لکھتے ہیں۔

داں آ کبت است انت منی گا مانی رند

داں زند بیت روک انت منی ھونانی لیک۔

شہید درویش زندہ ہے اور تاں ابد تک زندہ رہے گا۔اسکی فکر سوچ آنے والی نسلوں تک زندہ رہے گا۔

بلوچ سماج میں آزاد خیالی اور عورتوں کا کردار

سازین بلوچ

آزاد خیالی سے مراد انسان کا آزاد کشادہ اور ترقی پسند سوچ وفکر رکھنا ہے جہاں انسان کی فکر اس کے انفرادی یا گروہی مفادات کے دائروں تک محدود نہ رہے۔لوگ حقیقت پسندانہ اور انسانیت دوستی پر مبنی سوچ وفکر رکیں جس کے ذریعے قدیم پسماندہ اور استحصالی معاشرتی نظام اور عقیدوں کو ختم کیا جاسکے اور معاشرے کی تعمیر اجتماعی سوچ، انفرادی آزادی، انصاف اور عوام کی فلاح و بہبود کی بنیاد پر ہو۔پسماندہ اور غلامانہ زہنیت کا خاتمہ ہو جو کہ انسانوں کے آزادانہ معاشرتی کردار کو مسخ کر دیتے ہیں جب کہ آزادی اور کشادہ زہنیت کو فروغ ملے جس سے لوگوں کا معاشرتی کردار سامنے آسکے لوگ استحصال اور غلامی پر مبنی نظام کے خلاف جد و جہد کر کے معاشرے میں آزادی اور انسانیت پر مبنی سوچ وفکر کی بنیادوں کو مضبوط کریں۔آزاد خیالی ہی انسانوں کو اس قابل بناتا ہے کہ وہ استحصالی قوتوں کی جانب سے عوام میں پہلائی ہوئی پسماندہ سوچ اور جد و جہد کے بجائے غلامی تسلیم کرنے کے سوچ کا خاتمہ کرسکیں اور پسماندہ زہنیت کے خلاف نئی راہیں روشن کر سکیں اور معاشرے کو وقت اور حالات کے ساتھ ہم آہنگ کرتے ہوئے معاشرے میں نئی سوچ فکر کو ترویج دے سکیں۔

بلوچ معاشرے میں قدیم معاشرتی اصول کسی حد تک اب بھی رائج ہیں جو کہ قبائلی نظام سے نکلتے ہوئے سامراجی نظام کے زیر اثر آنے کے بعد پسماندگی کا شکار ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے غلامانہ سوچ اور پسماندہ زہنیت تا حال موجود ہے اگر چہ آزاد خیالی اور روشن فکر کو کسی بھی طرح نہیں روکھا جاسکتا اور بلوچ عوام میں بھی آزاد خیالی اور روشن فکر رکھنے والے لوگوں کی کمی نہیں لیکن ان کے سامنے بھی قدم قدم پر رکھاوٹیں ہیں۔6 دہائیوں سے جاری بلوچ قومی تحریک میں غلامی سے آگاہی اور تبدیلی کی جد و جہد کرنے والی بلوچ قوم میں عوام کی اکثریت پسماندہ سماجی پابندیوں کا شکار ہے۔6 دہائیوں سے بلوچ قوم ریاستی جارحیت کا سامنا کر رہی ہے ۔کیوں نہ اس جارحیت اور اس سے پیدا ہونے والے تباہ کن حالات کو دیکھ کر اپنے سماجی پسماندگی اور اپنی کمزوریوں کو ختم کر کے حقیقت پسندانہ سوچ وفکر رکھ کر اپنے معاشرے میں آزادانہ سوچ وفکر آزادی اور غلامی کے خلاف جد و جہد اور عوام کے انقلابی کردار کی نشونما کریں۔

ہم جس معاشرے میں رہتے ہیں ہماری سوچ وفکر، خواہشات اور خیالات اس معاشرے تک محدود ہیں جہاں قدیم معاشرتی اصولوں میں کوئی بنیادی تبدیلی پیدا نہ ہوسکی ہے۔تبدیلی تب ہی ممکن ہے جب اس کا احساس موجود ہو حالانکہ بلوچ قوم کو اپنی غلامی کا احساس ہے اس کے باوجود ہمارے سماجی پابندیاں ہم پر رائج ہیں جس سے پیدا ہونے والی سوچ وفکر کی وجہ سے ہم تبدیلی کی جانب جانے اور اپنی حالت کو تبدیل کرنے کے بجائے خاموشی کا مظاہرہ کرتے ہیں ۔ ہماری اکثریتی عوام عالمی و علاقائی صورتحال اور موجودہ وقت کے تقاضوں سے بے خبر ہے۔جس شخص کا سوچ پابند اور تنگ دائروں میں بند ہو وہ شخص حقیقت کو نہیں پہچان سکتا ہے اور نہ ہی حالات اور وقت کے تقاضوں کا درست تجزیہ کرسکتا ہے اس شخص کا سوچ غیر حقیقت پسندانہ ہوگا اور مصلحت پسندی، اور زاتی مفادات تک معدود ہوگا اور وہ منفی اور مثبت سوچ کا فرق نہیں جان سکے گا۔اگر ہم میں آزاد خیالی موجود ہو تو آج کے اس دور میں جدید اور حقیقی سوچ وفکر اور نئے خیالات سے واقف ہو کر ان سے اپنے معاشرے کو مستفید کرسکتے ہیں اپنے معاشرے میں آزادی، انصاف اور برابری کی ترویج کرسکتے ہیں اور منفی اور مثبت قوتوں اور سرگرمیوں کی پہچان کرسکتے ہیں اور اپنے قوم میں حقیقت پسند سوچ کو فروغ دے سکتے ہیں۔

ہمیں بلوچ تحریک آزادی کا حصہ ہو کر عالمی و علاقائی صورتحال سے آگائی حاصل کر کے بلوچستان میں حالت زندگی کو غور وفکر میں لا کر ایک منظّم اور نظریاتی سوچ وفکر پیدا کرنی ہوگی جس سے ہمارے سوچ وفکر و خیالات اور حقیقت پسندی سے عوام متاثر ہو کر معاشرے میں تبدیلی کی ابتدا کریں اور ہم ایک ایسے ماحول کی بنیاد رکھیں جس میں عوام اپنے خیالات کے آزادانہ اظہار کے ساتھ ساتھ آزادانہ سوچ اور خیالات کے حمایتی ہوں ۔ ہر بلوچ میں یہ احساس ہو کہ کے وہ غلام ہے اور بلوچ قوم اس احساس غلامی سے چٹکارا پانے کے لیے جنگ آزادی میں مصروف ہے جس کی منزل صرف آزادی ہے۔اس صورتحال میں ہمیں سب سے پہلے فکری آزادی پیدا کر کے نظریاتی عمل کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ کر اپنے سماجی میں ایک حقیقی سوچ وفکر

پیدا کرنا ہوگا۔آزادی خیالی کے ساتھ ساتھ اپنے آج کی تبدیلی اور کل کی تعمیر کا ابتدا ءکرنا ہوگا تا کہ آزاد اور روشن خیال کے ساتھ ہر نوجوان بلوچ قومی تحریک آزادی میں اپنا کردار ادا کرے اور ایک آزاد اور خوشحال بلوچ سماج کی تعمیر کرے۔

خواتین کا معاشرے میں ایک اہم مقام ہے۔ایک ماں، بہن، بیٹی، بیوی کی شکل میں عورت ہونے کے ساتھ ساتھ وہ ایک عام انسان ہے لیکن اسے ہمارے معاشرے میں انسان سے زیادہ عورت ہونے کے نام پر عزت اور احترام کے بہانے ایک محدود دائرے میں بند کیا گیا ہے۔ ہمارے خواتین خاندان، گھر اور سہیلیوں تک محدود ہیں اسلئے بلوچ خواتین کی اکثریت اپنے سماج سے باہر کے حالات سے بے خبر ہے اور اپنے معاشرے میں پہلے سے رائج اصولوں کی پابندی کرتے چلے آرہے ہیں ۔ بلوچ خواتین کو آزاد سوچ وفکر، آزادانہ خیالات سے پرے ماحول مہیا کر کے انہیں دوہرے محکومی کی زندگی گزارنے اور انہیں عورت ہونے کے نام پر مخصوص اور پسماندہ سوچ رکھنے تک محدود رکھا ہوا ہے۔ ہمارا معاشرہ اس غلط عقید ہے پر یقین رکھتا ہے کہ عورت کی سوچ پست ہے اور انہیں صرف عورت ہونے کی وجہ سے سماجی طور پر محدود چند گھریلوں زمہ داریوں تک محدود رکھا گیا ہے جس سے ان کی سماجی کردار اور سوچ کی نشونما نہیں ہو پائی ہے۔

دنیا میں کئی آزادی کی جنگیں لڑی جا چکی ہیں اور آج تک لڑی جارہی ہیں۔لیلہ خالد اور کردستان کے خواتین کا جنگ آزادی میں ایک اہم کردار ہے جو کہ دنیا میں جدو جہد اور آزاد فکر کی علامت ہیں جنہوں نے اپنے سماجی بندشوں کو توڑتے ہوئے اپنے عوام کی حالت تبدیل کرنے کیلئے مثالیں قائم کئے ہیں۔

آج ہمارے معاشرے میں بھی بانک کریمہ جیسے کردار موجود ہیں جو کہ تحریک آزادی میں ایک اہم کردار ہے ہیں وہ بھی ایک عورت ہیں اور اسی بلوچ معاشرے کا حصہ ہیں۔ بانک کریمہ بلوچ اگر اپنی سماجی بندشوں سے نکل کر بلوچ قوم میں تبدیلی کے لیئے اپنا عظیم کردار ادا کرسکتی ہیں تو کیا دیگر بلوچ خواتین انہی حالات سے نکل کر اپنا کردار ادا نہیں کرسکتی۔انہیں بھی اپنی سوچ وفکر کے محدود دائروں کو توڑتے ہوئے اپنے قوم کی مستقبل کا زمہ داری سے احساس کرنا چاہئے اور وقت کی ضروریات کے مطابق اپنے سوچ کو بھی نئے سرے سے منظّم کرنا چاہئے کا کہ وہ بھی اپنے معاشرے کو تبدیل کرنے کیلئے کردار ادا کرسکیں۔ ہمیں قدیم اور پسماندہ سماجی پابندیوں کو ختم کر کے اپنے اندر آزاد خیالی، روشن اور وسیع فکر پیدا کرنی ہوگی کیونکہ آزاد خیالی انسانوں کو حقیقی اور روشن سوچ وفکر رکھنے اور نئے راہوں تلاش کرنے کے قابل بناتا ہے انہیں اپنی سماج کو وقت کے تقاضوں سے ہم آہنگ کرنا سکھاتا ہے۔ ہم انقلاب یعنی تبدیلی کا نعرہ بلند کرتے ہیں مگر جب تک ہم اپنی اندر سامراج کی پیدا کردہ غلامانہ پسماندہ سوچ اور محدود فکر کو ختم کر کے اپنی زات سے باہر نہیں آتے تب تک ہم حقیقی معنوں میں انقلاب نہیں لاسکتے۔

کسی کو خود سے جتنا دور رکھو گے وہ اتنا ہی دور ہوتا چلا جائے گا۔جب تک اسے اپنا ہونے کا احساس نہ دلایا جائے اس وقت تک وہ اپنے وجود سے انکاری ہوگا اور جس دن آپ اس میں یہ احساس جگانے میں کامیاب ہوگئے تو اسے تمھارے ہمقدم ھونے سے کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔عوام کو اسی احساس کے بل پر قریب لایا جاسکتا ہے،۔ان میں شامل ہوکر، ان کو قریب لاکر، اور ان کے ساتھ رہ کر۔اور جس دن وہ تمھاری تحریک میں دل وجان سے شامل ہوگئے وہ دن تمھاری تحریک کی کامیابی کا دن ہوگا اور اس دن ہر طاقت عوام کی طاقت کے آگے نیست ہوکر رہ جائے گی۔

☆☆☆☆ **بانک کریمہ بلوچ** ☆☆☆☆

بلوچ فدائین شہید اللہ رحم ساسولی

منتری بلوچ

وتی بازیءُ مئے نیستیءَ مچار

مرآں زندءَ منی زورءَ بہ چار

تو اگاں ہرچی کنئے دستاں مدار

من ہراں رندءَ منی زورءَ بچار

میں اپنی بساط کے مطابق آج بی۔ ایل۔ ایف کے اس عظیم نوجوان شہید سرمچار کے بارے میں لکھ رہا ہوں جس کی جدوجہد اور قربانی کی تعریف مجھ سے زیادہ اور صحیح انداز میں بی۔ ایل۔ اے کی ایک کیمپ کمانڈر ''میر'' نے فدائین بلوچ کا لقب دے کر یوں بیان کی تھی۔

''شہید اللہ رحم ساسولی کی قربانی ہمیں بظاہر چھوٹی معلوم ہورہی ہیں لیکن شہید اللہ رحم نے دشمن پر وہ وار کیا جیسے شہید مجید اوّل اور شہید درویش نے کی تھی اور شہید اللہ رحم فدائین کے صف میں آتے ہیں جس طرح شہید مجید اوّل اور شہید درویش نے دشمن پر فدائین حملہ کر کے انہیں نا قابل تلافی نقصان دی تھی۔''

یہ تھے وہ الفاظ جو بی ایل اے کے کیمپ کمانڈر ''مزاحمتی نام میر'' جس نے بی ایل اے کے سرکل میں سب سرمچاروں کے محفل میں کہے تھے۔

سنگتوں! مجھے اچھی طرح یاد ہے جب ہم بچپن میں فٹ بال کھیلتے تھے تو ہم ہر روز کلان میں کھیلنے کیلئے جاتے تھے۔

کلان میں وسیع میدان بہت زیادہ ہے اس لئے اکثر ہم وہاں کھیلنے جاتے تھے (آج کے نوجوان بھی کھیلنے کے لئے جاتے ہونگے) ہمیں کھیل کے دوران ایک ایسا نوجوان نظر آتا جسے کھیل کی بجائے ہنسی مذاق کرتے دیکھتے بال کو گول کرنے کی بجائے اسے زور سے کک مارنے پر لگے رہتے۔۔۔۔۔ اور بال کو مخالف کھلاڑی سے چھیننے یا گول پوسٹ تک لے جانے کی بجائے ایسے بال کے پیچھے بے دریغ بھاگتے جس سے اپنی یا مخالف کی ٹانگ کو زخم پہنچاتی۔۔۔۔ یا زخمی ٹانگ پکڑ کر باہر نکل جاتا۔۔۔۔۔

سب کھلاڑی اللہ رحم کہہ کر پکارتے۔۔۔۔۔ اللہ رحم۔۔۔۔ اللہ رحم۔۔۔۔۔

اور بعض اوقات مخالف ٹیم کھیل کو شروع کرنے سے پہلے روک لیتے کہ اللہ رحم مدرسے سے چھٹی کرے پھر کھیلے گے چونکہ ہم جمال عبدالناصر کے مدرسے کے قریب کھیلتے تھے یہ دیکھ کر سب حیران رہتے کہ اللہ رحم اور مدرسے کی پڑھائی۔۔۔۔۔۔۔

کلان میں جمال عبدالناصر صاحب کی مدرسہ کو دیکھ کر آج بھی یاد آتا کہ شہید اللہ رحم دینی تعلیم حاصل کرنے کیلئے باقاعدہ پڑھتا تھا جیسے شہید ہونے سے پہلے قاتل، چور، ڈاکو، بدمعاش کا لقب دے کر پاکستانی فوج اور اس کے گماشتے پکارتے تھے تاکہ عوامی سطح پر اللہ رحم کا کردار کشی ہو سکے۔ (لیکن یہی مدرسوں سے نکلنے والے، فرقے کے نام پر قتل و غارت کرنا، مسجدوں میں خودکش، علماء کرام کو بریلوی ہونے پر شہید کرنا، افغانوں کی اپنی قومی جنگ اور اپنی سرزمین کو قبضہ گیر سے آزاد کرنے والی جنگ میں اسلامی جنگ کہہ کود نے والوں کو یہی پاکستانی فوج اور پاکستانی ایجنسی مجاہد اور غازی کہہ کر پرورش کرتے، ذرا سوچیے!۔۔۔

ہم نے کبھی نہیں دیکھا تھا کھیل کے دوران اللہ رحم اچھے کھیل کا مظاہرہ کر کے زبردست اور شاباشی اپنے کھلاڑی دوستوں سے لے لیکن اللہ رحم کے کھیل میں شامل ہونے سے ان کے کھلاڑی اپنے ٹیم کو مضبوط اور مکمل تصور کرتے تھے۔

اللہ رحم سے سلام دعا ہونے کی باوجود میں پوری طرح کوشش کر رہا تھا کہ اللہ رحم سے زیادہ نزدیکی ہو اور واقفیت بڑھ کر دوستی میں بدل جائے لیکن بعد میں میری کھیل سے دوری کی وجہ سے ہم ایک دوست کے دوست نہ بن سکے اس کا دکھ اور افسوس شاہد مجھے زندگی بھر رہے کیونکہ بعد میں پھر جا کر میں بھی اس مشکل اور کٹھن منزل کا مسافر بن کر دوسری دفعہ اللہ رحم جیسے بہادر اور دلیر سے واقف اور نہ دوست بن سکے، ہاں۔۔۔ البتہ میں اس بات پر ضرور خوش ہوں کہ ہم نظریاتی طور پر آج بھی دوست ہیں اگر کل میں نے شہادت کا عظیم رتبہ حاصل کر لیا تو کل بھی دوست ہونگے۔۔۔۔۔ انشاءاللہ۔

تو اس دوران کئی سال گزرے اللہ رحم کا چہرہ کیا نام تک بھول چکا تھا میں اس منزل کا ایک ساتھی ہوتے ہی اللہ رحم کے بارے میں کوئی نہیں سنا تھا۔ ایک دن موبائل پر نیوز آئی۔ پاکستانی ڈیتھ سکواڈ تحریک نفاذ جس کا ترجمان (مظفر حسین جمالی) غازی

خان نے کچھ لوگوں کی ٹارگٹ لسٹ جاری کی تھی جس میں اللہ رحم ساسولی کا نام بھی تھا۔

اللہ رحم کا نام پڑھ کر میں اور میرے ایک دوست ہنسنے لگے کہ ریاستی ایجنسی کیسے بیوقوف ہے جنہوں نے اللہ رحم جسے لوگوں کا نام دیا ہے۔

خیر یہ ایک اخباری بیان تھا اس میں شہید ماجد ڈگارزئی کا بھی نام تھا، جب ماجد ڈگارزئی کو پاکستانی ڈیتھ سکوارڈ نے اپنے مقامی دلالوں کے ذریعے شہید کردیا اب ہم پوری طرح سمجھ اللہ رحم بھی ایک سرمچار ہے۔تو دوستوں نے مشورہ کیا کہ شہید ماجد کے دوستوں سے ملیگے اور انہیں احتیاط سے رہنے کو کہیں گے لیکن کوئی خاطر خواہ کامیابی نہیں ملی آخر شہید ماجد ڈگارزئی کے ایک ہمدرد دوست سے پتہ چلا کہ شہید ماجد ڈگارزئی کا قریبی دوست اللہ رحم ساسولی ہے جو کئی مہینے پہلے ایران مزدوری کیلئے چلے گئے تھے۔

خیر اللہ رحم ایران میں تھے یا کسی اور جگہ پر لیکن ہماری ان سے حال احوال کا مقصد صرف یہی تھی کہ جنگی اصولوں کے تحت جنگ کو سمجھنا چاہیے غیر احتیاطی نہیں برتنا چاہیے۔ٹھیک دو مہینے بعد ہم کچھ دوست کسی اور علاقے کے دوستوں سے ملنے گئے اسی دوران ماہ رمضان میں بی ایل اے کے جانثاروں نے خاران میں ریاستی فورس FC پر حملہ کرکے ایک صوبیدار سمیت پانچ اہلکاروں کو جہنم رسید کردی تھی اس حملے کے ردعمل میں FC نے شہید اللہ رحم کے خلاف FIR درج کی تھی۔

ہم نے آتے ہی شہید اللہ رحم سے ملنے کا فیصلہ کیا لیکن وہ علاقے میں نہیں تھے،ٹھیک نومبر میں شہید اپنے شادی کے لئے آئے تھے۔کسی دوست نے شہید اللہ رحم سے رابطہ کرلیا۔اللہ رحم نے ہمارے بارے میں سن کر بہت خوش ہوتے ہنستے ہوئے کہہ کل میری شادی ہیں آپ لوگ ضرور آئے اور کل انشااللہ تفصیل سے ملنگے، خیر دوست بھی کل تو ملنے کیلئے بے تاب تھے اور انتظار میں تھے کہ کل خوشی کا دن ہوگا لیکن یہ سب الٹ ہوئے۔۔کیونکہ کل ایک خونی کل ثابت ہوا۔کل کو شہید اللہ رحم اور شہید اسلم ڈگارزئی نے اپنے خون سے انقلابیوں کے لئے ایک بہادر جرات وقربانی کا دن ثابت کر دیا۔ ۔۔۔۔ کاش اس کل میں مجھ جیسے اس دھرتی ماں کیلئے قربان ہوتے۔۔۔۔کاش اس کل میں میں دشمن کے زرخرید دلالوں سے لڑتے ہوئے مادروطن کے لئے جان دے دیتا۔۔۔۔ آزادی خون مانگتا۔۔۔ کس کا خون؟۔۔۔۔اپنی سپوتوں اور دشمن کا خون۔۔۔۔۔۔۔۔۔!

شہید اللہ رحم کے بارے میں ریاست اور اس کے دلالوں نے یہ مشہور کر رکھا تھا کہ اللہ رحم چور، ڈاکو اور قاتل ہے۔یہ ریاست کا وہ حربہ ہے جو ہر وقت آزادی پسندوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرتا تا کہ آزادی پسند اور سرمچار عوامی حمایت کھودے۔کیونکہ کسی بھی جنگ کو جیتنے کیلئے عوامی حمایت ضروری ہے۔جو ریاست کے پاس نہیں ہوتی۔ قبضہ گیر ریاست کے ہر منفی حربوں کو عوام کے حمایت سے دوست ناکام بنا رہے ہے۔ یہ ہماری لئے جنگ لڑنے سے بھی بڑی کامیابی ہے۔شہید اللہ رحم اور شہید اسلم ڈگارزئی کی مقدس خون اور قربانی نے ریاست کے تمام پروپیگنڈوں دعوں کو جھوٹ ثابت کردی اب ہر بچہ بچہ شہید اللہ رحم کی قربانی سے اس قدر متاثر ہو چکے ہیں کہ سرمچاروں کیلئے وہ راہ چلتے نعرہ بازی کرتے۔۔۔یہی نعرہ میں نے بہت سے بچوں کی زبان سے سنا ہے۔۔۔۔۔۔شہید اللہ رحم تیری ماں کی جرأت کو سلام۔۔۔۔۔ شہید اللہ رحم تیرے جانثار بے شمار بے شمار وغیرہ۔۔۔۔۔

شہید اللہ رحم انتہائی غریب گھرانے سے تعلق رکھتے تھے۔غربت کا اندازہ ان باتوں سے لگایا جا سکتا ہے کہ شہید کے شادی تک خرچہ نہیں تھی شہید کے والدہ متحرمہ نے اپنے رہنے کے گھر اور چاردیواری کو بیچ ڈالی تھی۔۔۔آج بھی شہید کے خاندان کرائے کے گھر میں رہتے ہیں جس میں نہ پانی ہے نہ بجلی۔۔۔اور گھر کے کرائے بڑی مشکل سے ادا کرتے۔۔۔۔ جب شہید کے تعزیت کے لئے لوگ آتے لوگوں کو کھانا کھلانے قریبی دکان سے دال اُدھار میں لے کر لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا (اس بات کا ثبوت ہمسائیوں سے لے سکتے ہیں)۔۔۔۔

شہید اللہ رحم کے والد محترم مزدوری کرتا، سارے دن مزدوری کرکے شام کو سائیکل پر سوار پیچھے کچھ لکڑیاں، آگے ایک دو وہ ودہی لٹکتے نظر آتے اس سے اندازہ ہوتا شہید کے والد دن بھر کے مزدوری کے روپیوں کو رات کے کھانے تک سودا لے سکتے۔۔۔اس مرد مجاہد والد کو ہزار بار سلام اتنی غربت، تنگ دستی، اور مفلسی سے لڑتے، لیکن بلوچ قومی تحریک کو ہماری بقا سمجھتی ہے۔جب ایک طرف شہید کی شادی کی خوشی میں گھر میں شہید کے والدہ اپنے بیٹے کو دولہا دیکھنے کیلئے بے تاب تھی دوسری طرف شہید کی میت کسی رشتے دار کے گھر میں رکھی تھی۔ایک ہمدرد نے بھری ہجوم میں زور سے کہا شہید کی میت کو گھر نہیں لے جایا جائے شہید کی ماں بیٹے کی موت پر غم سے مر نہ جائیں۔تو شہید کے والد محترم نے جواب دی اس کے والدہ کو کچھ نہیں ہوگی۔آزادی کے لئے جان دینے والے کتنے سرمچاروں کی مائیں اپنے بیٹے کی

شہادت پر مر چکے ہیں کہ اس کی ماں مر جائے۔(واہ شہید تیرے والد کے جرات کو ہزار سلام)

27 نومبر کی سرد شام تھی لوگ آزادی سے غافل اپنی ذاتی زندگی کے کاموں میں لگے تھے۔کس کو پتہ تھی کہ اس سرد شام میں دو نوجوان اسی شہر میں اپنی قیمتی جانوں اور زندگی کے تمام عیش وعشرت کو ترک کیئے دشمن سے لڑکر پوری قوم کو ایک ایسی پیغام دینگے جو ہر ایک کو اس جنگ میں حصے لینے پر مجبور کرتی ہو۔

شدید فائرنگ کی آوازیں پورے شہر میں گونجتی رہی پھر ایک دم ایک زوردار دھماکے سے فائرنگ بند رہتی۔۔۔۔

ہاں۔۔۔یہ فائرنگ شہید اسلم کی تھی جو بندوق سنبھالے دشمن سے مقابلہ کر رہا تھا۔۔۔۔ پھر فائرنگ کیوں بند رہی؟۔۔۔۔۔۔۔ چاروں طرف پہلے سے مورچہ زن دشمن کے گیرے میں جنگ کو سنبھالتے ہوئے شہید اسلم کو دشمن کی گولیوں نے بھوند ڈال کر فائرنگ بند رہی۔۔۔شہید اللہ رحم اب بھی گیرے میں تھے صرف ایک ہیڈ گرنیڈ کے ساتھ۔۔۔۔

اب دشمن نے گالیوں اور لاتوں،گھونسوں کی بوچھاڑ کر دی اللہ رحم پر۔۔۔۔شہید اللہ رحم کو گھسیٹتے ہوئے صرف گاڑیوں کے پاس لے جا رہے تھے۔۔۔۔(دشمن شاہد خوش تھے کہ اللہ رحم کو اغواء کرنے میں کامیاب ہوئے ہیں)۔

اللہ رحم دشمن کی گالیوں کے جواب میں صرف یہی کہہ رہا تھا ماں نے ایسی بیٹے پیدا ہی نہیں کی ہے جو مجھے دشمن کے حوالے کر دے۔۔۔

اسی دوران اللہ رحم گرنیڈ کا پن نکالتے ہی خود کو اڑا دیتے۔۔۔۔دشمن اللہ رحم سے لپیٹے ہوتے تھے جو اسے صرف گاڑیوں کے پاس لے جا رہے تھے۔۔۔۔دھماکے سے بلوچ کش مافیا مسلح دفاع کے اہم کارندے حاجی منظور (گدر سوراب) جو اپنے دو ساتھیوں سمیت جہنم رسید ہوتے ہیں۔اور خاران سے تعلق رکھنے والے پاکستانی زرخرید کرائے کے قاتل شیخ سلیم تگا پی شدید زخمی ہوتے۔۔۔۔۔۔۔۔۔اپنی باقی ماندہ زخموں اور لاشوں کو اٹھا کر شکست خوردہ دشمن چلے جاتے ہیں۔

ریاستی پولیس آکر بی ایل ایف کے شہید سرمچاروں کی لاشوں کو ریاستی ہسپتال لے جاتی۔۔۔۔ جہاں رات بارہ بجے شہید فدائین اللہ رحم ساسولی کی لاش کی شناخت ہوتی جس کے شادی کے رسم بھی دوسری طرف ہو رہی تھی۔۔

اگلے دن گیارہ بجے دوسرے شہید کی شناخت شہید اسلم ڈگارزئی جو شہید ناصر ڈگارزئی،شہید ماجد کے بھانجے اور شہید بہادر خان نوتانی کے کزن سے ہوتا ہے۔

صبح شہید اللہ رحم کو خاران شہر جبکہ شام کو اسلم ڈگارزئی کو ہزاروں افراد کی موجودگی میں اکے آبائی گاؤں کلی شہید ناصر ڈگارزئی میں سپرد گلزمین کر دیئے جاتے ہیں۔

شہدائے خاران: شہید اللہ رحم،شہید اسلم،شہید ناصر،شہید ماجد،شہید عرفان رشید، شہید بہادر خان زندگ بات

بی ایل ایف (خاران ونگ) زندگ بات

اگر ھم نے نظریے اور شعور کے ساتھ اس جنگ کیلئے تیاری نہ کی تو ھمیں فنا ھونے سے کوئی نھیں روک سکتا۔

☆☆☆☆شھید واجہ صباء دشتیاری☆☆☆☆

سامراجی تعلیم اور انقلابی تعلیم

شہباز بلوچ

''میرے خیال میں بغاوت وہ کرتا ہے جو عقل اور شعور و آگاہی رکھتا ہے''۔ یہ الفاظ ہے دلائی لامہ کے، ان الفاظ کو لکھنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ پوری ریاستی مشینری بالعموم اور نام نہاد بلوچ قوم کے ہمدرد بالخصوص اس غم میں لاغر ہو رہے ہیں کہ بلوچ قوم کے نوجوانوں کو تعلیم پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔ کون کافر اس بات سے انکار کر سکتا ہے کہ نوجوانوں کو تعلیم حاصل کرنی چاہیے۔ یہ بات کہتے ہی اگلے سانس میں ایک طوفان بدتمیزی کا سماں ہوتا ہے اور انکی شیطانیت سامنے آجاتی ہے جب وہ یہ پروپیگنڈہ کرتے ہیں کہ بی ایس او آزاد نوجوانوں کو جذباتیت کی طرف لے جا رہا ہے، جو نوجوانوں کو تعلیم یافتہ بنانے کے بجائے ریاست کے باغی بنا رہی ہے جو عالمی سامراجیت کے چوکیدار اور قبضہ گیر ریاست سے ٹکراتے ہیں، اور شاید بے شعور لوگ ہیں۔ لیکن تاریخ گواہ ہے کہ ہر قبضہ گیر ہر جگہ اپنے قبضہ کو دوام دینے کے لئے اس طرح کے سامراجی دلائل ہر جگہ پیش کرتا ہے۔ لیکن دوسری طرف جو حقیقی دانشور اور مفکر ہوتے ہیں ان کے خیال میں یہی لوگ ہی دراصل معاشرے کو عقل و شعور والے لوگ ہیں اور انہی لوگوں میں سماج کو بدلنے کی طاقت اور شعور ہے۔

ایک قبضہ گیر گروہ کی طریقہ تعلیم کو اور ایک انقلابی تنظیم کے طریقہ تعلیم کو ایک دانشور ان الفاظ میں پیش کرتا ہے:

عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ وڈیرے، سردار اور جاگیردار ملکی وسائل پر قابض اور تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں ''وہ دراصل دو برابر دو جمع چار والی تعلیم کی مخالفت نہیں کرتے بلکہ وہ ایسی تعلیم کی مخالفت کرتے ہیں جو صحیح وقت اور صحیح مقام پر درست فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا کرتی ہے''

پاکستان اور اسکے دلال اولذکر تعلیم کی بات کرتے ہیں اور بی ایس او آزاد آخرالذکر کی بات کرتا ہے جو نوجوانوں کو اس استحصالی گروہ کے خلاف نظریاتی تعلیم سے لیس کر رہا ہے۔ جو بلوچ نوجوانوں کو بلوچ قوم کی اسکی محرومی، محکومی، غلامی اور اس استحصالی گروہ کے خلاف سوال اٹھانے کی ترغیب دیتا ہے اور ساتھ ساتھ ان کے خلاف لڑنے کی تعلیم بھی دیتا ہے۔ اس کے علاوہ بی ایس او آزاد نوجوانوں کو اپنے تحریروں، تقریروں، پمفلٹ اور دوسرے ذرائع جیسے اخبارات، تنظیم کے اپنے رسالے اور تربیتی سیریز کے ذریعے بلوچ قوم کی تاریخ، تہذیب، رسم و رواج، بلوچی و براہوئی زبانوں سے محبت کی تعلیم دیتا ہے اور ان سے آگاہ کرتا ہے۔ جبکہ دوسری طرف یہ سامراجی پٹھو اور اسکے دلال ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بلوچ کی تاریخ، تہذیب، رسم و رواج اور زبانوں کو مسخ کر رہے ہیں۔ بلوچ نوجوانوں کو اپنے ہی زبان اور رسم و رواج سے نفرت کرنا سکھا رہے ہیں آج بھی بلوچ معاشرے میں ایسے ڈاکٹروں، انجنیئروں اور دانشوروں کی بہتات ہے جنہوں نے اردو اور انگریزی زبانوں کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا ہے جو بلوچی و براہوئی زبانوں کو اپنے لیئے باعث شرم خیال کرتے ہیں۔

اپنی ہی مقدس روایات رسم و رواج سے نفرت کرتے ہیں جن کا پوری دنیا قائل ہے لیکن وہ پنجابی جیسے غیر مہذب گروہ کو اعلیٰ سمجھتے ہیں طارق علی پنجاب کے بارے میں کہتے ہیں کہ ''یہ گزرگاہ (پنجاب) ایک طوائف کی طرح رہا ہے، جسے مہذب ہونے کے ساتھ ساتھ شمال کے ان مردانگی سے بھرپور وحشیوں کا انتظار رہنے لگا، پنجاب سے لکھے جانے والے دعوت نامے اسی انتظار کی کیفیت کا پتہ دیتے ہیں۔ آج جب پنجاب کی خوشحال اور متوسط طبقوں کی خواتین تیزی سے پردہ پوش ہو رہی ہیں اور مرد داڑھی سے مزین ہو رہے ہیں یہ ان مردان کی غیرت مندی کا نتیجہ ہیں''

اس بحث کو یہاں چھوڑ کر میں صرف ان نام نہاد تعلیم یافتہ لوگوں سے یہ کہونگا کہ وہ ذرا یہ سوچے کہ وہ کس گروہ کی تقلید کر رہے ہیں؟ اور کیا یہ جہالت کی انتہا نہیں؟

نظریات، انداز فکر، روایات، جذبات سرزمین کی خصوصیات سے جنم لیتے ہیں ایسی خصوصیات جو انسانوں میں اجاگر ہونی چاہیے۔ آج ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت بلوچ نوجوانوں کو ان سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ تعلیم کا بنیادی مقصد محبّ وطن ہونے کے تقاضوں کو پورا کرنا، انسانی شخصیت کو ایک مخصوص سانچے میں ڈھالنا جس میں جذبات و احساسات کی شدت کا بہترین احساس کے تحت احساس ہو اور غیر متوازی اور ادھوری شخصیت کا کوئی بھی عنصر پھل پھول نہ سکے۔

جب تک تعلیم میں یہ سپرٹ پیدا نہ ہوگی، بے حس لاشوں کی ذہن میں علم ٹھونس دینا کسی بھی نتائج کا باعث نہیں ہوتا۔

آج بی ایس او آزاد بھی اس کوشش میں ہے کہ بلوچ نوجوانوں میں یہ خصوصیات پیدا ہوں۔ وہ بنیاد پرستی، فرقہ پرستی، قبیلہ پرستی اور آپسی رنجشوں کو بھلا کر عظیم مقصد آزادی کیلئے یکجا ہو جس میں ان کی فلاح اور ترقی ہے۔ اس لئے بی ایس او آزاد آج ریاستی اداروں اور اسکے دلالوں کے لئے دردسر بنا ہوا ہے تو دوسری طرف بلوچ قوم کی ورنا اس تنظیم کے کارکن ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ بی ایس او آزاد نوجوانوں کی علمی اور نظریاتی تربیت کے باعث دنیا بھر میں بلوچ اس تنظیم میں شامل ہو رہے ہیں اور شاید یہی وجہ ہے کہ عالمی سامراج کے پٹھو پاکستان ،اسکے ریاستی ادارے اور اسکے مقامی دلال ،یعنی شفیق اور سراج جیسے بلوچ ایک طرف تو ان نوجوانوں کی لاشوں کو مسخ کر رہے ہیں تو دوسری طرف یہ پروپیگنڈہ کر رہے ہیں تا کہ بلوچ نوجوان بدظن ہو یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ ایک طرف تو بلوچ نوجوانوں سے اتنی نفرت کرتے ہیں کہ ان کے لاشوں کو اس طرح مسخ کرتے ہیں تو دوسری طرف مہر و محبت کا یہ سلسلہ کہ بلوچ نوجوانوں کے تعلیم کیلئے بے چین،، چہ معنی دارد''۔

اس بات کا جائزہ بھی لینے کی ضرورت ہے کہ بلوچ نوجوان ہی ہر طرف سے ٹارگٹ کیوں ہے؟ ارشد محمود جو بائیں بازو کا دانشور ہے، وہ کہتے ہے کہ 'چونکہ زمانہ شباب فطری طور پر حسن سے منسلک ہے اور جدید زمانے کا نمائندہ بھی، لہٰذا تاریک قوتیں سب سے پہلے نوجوانوں سے خوفزدہ ہوتی ہے۔ چنانچہ نوجوانوں کو مختلف النوع مقدس نعروں کے فریب دے کر بنیاد پرست اور فرقہ پرسے تنظیموں میں پھانس لیا جاتا ہے تا کہ معاشرے میں فطرت نوجوانوں کی شکل میں تبدیلی کی جو بیج پیدا کرتی ہے انہیں ٹھکانے لگا دیے جائے اور یہی نوجوان زندگی کی راہوں میں تھوڑا سا آگے جا کر بوڑی قدروں کی محافظ بن جائے ۔تاریک قوتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ معاشرہ جہالت کی تاریکی سے نکلنے نہ پائے''۔

اس لئے آج پوری پاکستانی مشینری اور اسکے دلال اسی کوششوں میں مصروف ہے کہ بلوچ نوجوان بنیاد پرست اور فرقہ پرست بن جائے اور بلوچ قومی آزادی کے مقدس کاز کو مذہبی رنگ دے کر نا قابل تلافی نقصان پہنچایا جائے جس طرح کشمیر کی جنگ آزادی کو پاکستان کے نام نہاد مجاہدین نے مذہبی رنگ دے کر بدنام اور ناکام کر دیا۔ بی ایس او (آزاد) انہی قوتوں سے بلوچ نوجوانوں کو بچانے کی کوشش کر رہا ہے اور علمی اور سیاسی محاذ پر ان سے برسر پیکار ہے۔ بی ایس او (آزاد) ہی وہ تنظیم ہے جس نے ڈاکٹر اللہ نظر جیسے کئی عظیم لوگ پیدا کئے وہی ڈاکٹر اللہ نظر جس کے بارے میں کیوبا کے عظیم انقلابی لیڈر اور چی گویرا کے دست راست فیڈل کاسترو ایشین ریولیشنریز کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کسی نے سوال پوچھا کہ کہاں کے لوگ اپنے وطن کی آزادی کے لئے لڑ رہے ہیں؟ تو فیڈل کاسترو نے کہا کہ جہاں تک میں سمجھتا ہوں کہ'' آج کی تاریخ میں اس خطے میں ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ ایک عظیم انقلابی رہنما ہے اور ہر فرد کو چاہیئے کہ وہ ڈاکٹر اللہ نظر کے بارے میں مطالعہ کرے''۔

اور اس سے زیادہ شعور و آگاہی کی کوئی مستند سند نہیں ہو سکتی اور جہاں تک دوسری طریقہ تعلیم کی بات ہے جو قبضہ گیر محکوم قوموں کے لئے وضع کرتی ہے اس کا مقصد ان کو تعلیم یافتہ بنانا نہیں بلکہ قبضہ کیئے گئے علاقوں میں جو ٹوٹا پھوٹا نظام ہے اس کو چلانے کے لئے چپڑاسی، ماسٹر یا زیادہ سے زیادہ کلرک پیدا کرے۔ اس قسم کے تعلیم کے بارے میں نہرو ہندوستانیوں کے لئے اصطلاح Nation of clerk یعنی کلرکوں کی قوم کا استعمال کیا۔

نشوونما (ارتقا) کے بارے میں دو بنیادی (یا دو ممکنہ؟ یا تاریخی اعتبار سے دو قابل مشاہدہ؟) تصورات پائے جاتے ہیں: ایک تصور یہ ہے کہ نشوونما بطور کمی اور بیشی، بطور تکرار ہوتی ہے اور دوسرا تصور یہ ہے کہ نشوونما بطور وحدت اضداد ہوتی ہے (کسی وحدت کی باہمی نقیض اضداد میں تقسیم اور ان کا باہم دگر تعلق)

☆☆☆☆**لینن**☆☆☆☆

مکافاتِ عمل

شئے رگام بلوچ ترجمہ: ہونک بلوچ

جنوری 1979 کی ایک تاریک رات کے 9 بجے ہیں۔ کچھی کے ڈپٹی کمشنر میجر نیاز علی، ڈھاڈر کے تحصیلدار کو بتاتا ہے کہ وہ ڈھاڈر کے شاہی باغ کے آگے گزر رہا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ چند آدمی سڑک کے کنارے شیشم کے درخت کو کاٹ رہے ہیں۔ انہیں گرفتار کرو۔ تحصیلدار ڈھاڈر پولیس کو حکم دیتا ہے۔ پولیس اُسی مقام کو پہنچتی ہے، وہ دیکھتی ہے کہ تین آدمی ہیں، پولیس تینوں کو گرفتار کرتا ہے۔ ان میں پیرسن شخص پولیس سے کہتا ہیکہ وہ دونوں مزدور ہیں۔ ملزم و مجرم میں ہوں۔ مجھے اپنے گھر کے کھڑکیاں و دروازے تیار کرنے کے لئے لکڑیاں درکار تھیں۔ ان درختوں کو میں نے کاٹا ہے۔ ان دونوں مزدوروں کو چھوڑ دو اور مجھے تھانہ لے جاؤ۔ تھانیدار محمد حسن اس پیرسن شخص کو برا بلا کہتا ہے۔ اس کے گریبان پر ہاتھ ڈالتا ہے، اسے کھینچ کر تحصیلدار کے آگے پیش کرتا ہے۔ اور کہتا ہے ''اس شخص نے دو درخت کاٹے ہیں، تیسرے درخت کو کاٹ رہا تھا کہ میں نے گرفتار کیا اور پیش کر رہا ہوں''

تحصیلدار پوچھتا ہے کہ تمھیں معلوم نہیں کہ یہ سرکاری درخت ہیں اور تُم انہیں رات کی تاریکی میں کاٹ رہے ہو۔ پیرسن شخص نے کوئی جواب نہ دیا۔ تحصیلدار دوسری بار یہی سوال پوچھتا ہے۔ یہ شخص کچھ بھی نہیں کہتا ہے۔ تحصیلدار کا پارہ چڑھتا ہے اور وہ کہتا کہ تم بڑے بے حیا قسم کے آدمی ہو، اس عمر میں چوری چکاری کرتے ہو۔ بوڑھا اپنا سر جھکاتا ہے۔ تحصیلدار حکم کرتا ہے کہ اس شخص کو تھانہ لے جا کر بند کریں اور کل میرے سامنے پیش کریں۔

لیویز جمعدار میر عبدالغنی اسی لمحے آتا ہے۔ وہ تحصیلدار سے کہتا ہے کہ آپ جانتے ہیں یہ چور کون ہے؟ تحصیلدار جواب دیتا ہے کہ مجھے کیا معلوم یہ کون ہے۔ جمعدار کہتا ہے صاحب! اس شخص کو زمانہ رنگ دکھلا رہی ہے۔ میرے منہ سے ادا نہیں ہو پا رہا کہ میں اظہار کروں۔ لیکن آج اس شخص کو مکافات عمل کے بے رحم ہاتھوں نے لیکن انصاف پسند ہاتھوں نے چوری کے الزام میں آپ کے سامنے پیش کردی ہے کہ ہر کوئی عبرت حاصل کرے۔

تحصیلدار نے دیکھا کہ جمعدار کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے۔ تحصیلدار حیران ہوتا ہے اور پوچھتا ہے کہ یہ شخص کون ہے؟ جمعدار جواب دیتا ہے کہ یہ شخص آغا محمد رحیم ہے، بلوچوں کے حاکم خان قلات آغا عبدالکریم خان کے بھائی ہیں۔ یہ اور اس کا خاندان نہ صرف ان درختوں کے مالک تھے بلکہ پورے بلوچستان کے حاکم رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی حکومت اور بلوچوں کی سرزمین غیر قوموں کو نوازا اور آج ان سے سرزمیں اپنا حق وصول کر رہا ہے۔ جمعدار نے کہا صاحب!

اس شخص کو کسی اور سزا کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ قدرت کے انصاف نے اسے خود سزا دی ہے۔ اس نے جلدی سے کہا کہ اس سے بڑی اور کیا سزا ہوسکتی ہے کہ بلوچوں کا حاکم آج اتنا کم شرف ہو رہا ہے۔ تحصیلدار حیران تھا۔ اس نے گردن پیر مرد کی طرف موڑ دی۔ اس نے دیکھا کہ پیر مرد نے دونوں ہاتھوں سے اپنے سر کو پکڑ رکھا ہے۔ وہ کانپ رہا ہے اور اس کی آنکھوں میں آنسو تیر رہے ہیں۔

سچا انقلابی محبت کے قوی جذبات واحساسات سے تحرک پاتا ہے۔ اس خاصیت سے عاری کسی حقیقی انقلابی کا تصور بھی محال ہے۔ کسی رہنما کے لیے شاید اہم ترین ناگہانی چیلنجز یہ ہے کہ اسے نہ صرف جذباتی ولولے کو ٹھنڈے دماغ سے یکجا کرنا چاہئے بلکہ کسی ہچکچاہٹ کے بغیر تکلیف دہ فیصلے بھی کرنا ہوں گے۔

چے گویرا

ایف سی کا بلوچستان فتح کرنے کا خواب

برمش بلوچ

بلوچستان میں قابض پاکستانی ایف سی میڈیا کے سامنے کہتا ہے کہ بلوچستان کے حالات بلوچوں نے خود خراب کیئے ہیں جبکہ وہ امن وامان بحال کررہے ہیں۔آئی جی ایف سی کا بیان پڑھنے کے بعد میرے زہن میں کامریڈ ماؤزے تنگ کا قول آیا ''جنگ صرف جنگ کے ذریعے ہی ختم کی جاسکتی ہے اور بندوق سے نجات حاصل کرنے کے لیے ضروری ہے کہ بندوق اٹھائی جائے''۔ایف سی،آئی ایس آئی،ایم آئی کو بلوچ قوم صرف سامراج اور بطور قابض ریاست کے جانتی ہیں بلوچ قوم ایف سی سے کچھ خیر نہیں چاہتی اور نہ ہی دشمن سے کسی چیز کی امید رکھی جاسکتی ہے ہا ں البتہ ایک چیز کی ضرور امید ضرور ہم رکھ سکتے ہیں اور ایف سی ہماری امیدوں پر پو ری طرح اتر رہا ہے اور وہ ہے آئے روز بلوچستان بھر میں آپریشن،مسخ شدہ لاشوں کے تحفے اور بلوچ فرزندوں کو لاپتہ کرنا 14000 سے زائد بلوچ لاپتہ ہے ان میں خواتین اور معصوم بچے بھی شامل ہیں 64 سالوں سے ہزاروں بلوچوں کو ایف سی اور پاکستانی فوج شہید کرچکا ہے۔

آئی جی ایف سی کہتے ہیں کہ وہ بلوچوں کے خلاف اپنے تمام وسائل استعمال کرینگے یہاں سوچنے کی بات یہ ہے کہ ایف سی کے وسائل کیا ہوسکتے ہیں؟ان کا نظام بلوچ قومی وسائل سے چل رہا ہے جن کا استحصال کرکے اب تک وہ اپنا وجود برقرار رکھ رہے ہیں جبکہ دوسری جانب اگر ان کے پاس کوئی وسائل ہیں تو وہ امریکہ کی جانب سے ملنے والی امداد ہیں۔اگر امریکا امداد بند کردے تو آپ کیسے زندہ رہو گئے؟؟

ایف سی سمیت تمام قبضہ گیر پاکستان بلوچوں کو امریکا اور انڈیا کے ایجنٹس کہتے ہیں لیکن وہ خود امریکہ کی امداد پر زندہ ہیں۔امریکی امداد جو کہ دہشتگردی اور سماجی کاموں کیلئے وصول کی جاتی ہے اس امداد کو بلوچوں پر آئے روز آپریشن کرنے کے لیے،فوجی چھاؤنیاں بنانے کے لیے خرچہ کررہے ہیں۔

آئی جی ایف سی نے بلوچ سرمچاروں کو پہاڑوں میں لڑنے والے چند بھٹکے ہوئے نوجوان قرار دے کران سے پاکستان کی امن اور ترقی میں ایف سی کے ساتھ شامل ہونے والے کی دعوت دی۔بلوچ قوم جس نے 60 سال گرنے کے باوجود پاکستان کو بلوچستان پر آرام سے قبضہ کرنے اور وسائل کا استحصال کرنے کا موقع نہیں دیا بلکہ روز اول سے ہی پاکستانی قبضہ گیر فوج کے سامنے مزاہمت کرتے آرہے ہیں ہم اگر چند بھٹکے ہوئے لوگ ہوتے تو کب کا پاکستان کی شاطر چالوں میں آکر جدوجہد ختم کرچکے ہوتے لیکن آزادی کی جنگ کرنے والے چند بھٹکے ہوئے نوجوان نہیں بلکہ نظریاتی ہتھیار سے لیس ایک حریت پسند قوم ہیں۔آئی جی ایف سی حاصل بزنجو ،ڈاکٹر مالک،اختر مینگل،ذلفقار مگسی،اسلم رئیسانی کو اپنے ساتھ ساتھ دیکھ کر اس خوش فہمی میں ہیں کہ بلوچ قوم ان کے ساتھ ہے لیکن آج یہی حاصل بزنجو،اختر مینگل خود بلوچ عوام کے سامنے بے نقاب ہوچکے ہیں اور وہ اس قابل نہیں رہ گئے کہ بلوچ عوام سے آمنے سامنے ہوسکے۔آج ہر بلوچ پہاڑوں پر رہنے والے بامرد بلوچ فرزندوں کے ساتھ ہیں اور ان کے شانہ بشانہ اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔

آئی جی ایف سی حاصل بزنجو،ڈاکٹر مالک،اختر مینگل،ذلفقار مگسی،اسلم رئیسانی کو اپنے ساتھ ساتھ دیکھ کر اس خوش فہمی میں ہیں کہ بلوچ قوم ان کے ساتھ ہے لیکن آج یہی حاصل بزنجو،اختر مینگل خود بلوچ عوام کے سامنے بے نقاب ہوچکے ہیں

نیشنل پارٹی کاآزادی پسندوں کو غلطیوں کی نشاندھی کر نے کی دعوت

گہرام بلوچ

دراصل این پی غوث بخش بیزنجو کی پارٹی پاکستان نیشنل پارٹی کی پیداوار ہے اور غوث بخش کے فکر وفلسفہ پر عمل پیرا ہے۔غوث بخش بیزنجو کی پارٹی پی این پی کے بنیادی مقاصد پاکستان کی سالمیت اور بقاء کے لئے پاکستان کو اندرونی و بیرونی سازشی عناصر اور خطرات سے بچا کر ایک مستحکم ومظبوط پاکستان بنانا تھا۔اس وقت جولوگ آزادی کے لئے جدوجہد کررہے تھے غوث بخش بیزنجو نے اس کے جدوجہد سے انکار کر کے ایرانی انٹلی جنس ایجنسی (ساواک) اور پاکستانی ایجنسی (ائی ایس ائی) سے پیسہ ومراعات لے کر ان کے خلاف مختلف طریقوں سے پرو پیگنڈہ کیا۔ساواک اورائی ایس ائی کا بھرپور ساتھ دیا۔آزادی کی تحریک کو چندلوگوں کی قبائلی مفادات حاصل کرنے کا نام دیا گیا۔اپنے لاہور کانفرنس میں کہا گیا کہ ہم سب کو تمام قومیتوں سے نکل کر صرف ایک پاکستانی ہونے پر فخر کرنا چاہئے اور پاکستان کی سالمیت کے لئے جدوجہد کرنا ہے اگر کسی کو اعتراض ہے وہ طاہر بیزنجو کی کتاب گریٹر گیم آف بلوچستان کو پڑھ سکتا ہے جس کا ذکر طاہر بیزنجو نے اپنی کتاب میں خود کیا ہے۔غوث بخش آزادی کا شدید مخالف تھے اس نے کبھی آزادی کی تحریک کو تسلیم نہیں کیا ہمیشہ اس کے خلاف پرو پیگنڈہ اور سازشیں کرتے رہے۔این پی اور پی این پی دونوں میں کوئی فرق نہیں۔پی این پی میں ہر قومیت کے لوگ شامل تھے اور این پی میں بھی شامل ہیں جس کے مرکزی ممبران بھی پشتون ہیں وہ کبھی بلوچستان کی آزادی کی تحریک کو سپورٹ نہیں کرتے بلکیں این پی کے ساتھ مل کر تحریک کے خلاف مختلف ھتکنڈے استعمال کررہے ہیں۔غوث بخش کی پارٹی میں صرف پی کا اضافہ تھا جس کو این پی نے دور کر کے صرف این پی کیا۔در اصل p سے مراد پارٹی نہیں ہے بلکیں پی سے مراد پاکستان اور این سے مراد نیشنل یعنی پاکستانی نیشنل اس کا مطلب ہے پاکستان یعنی ہم پاکستانی قوم ہیں اور پاکستان کی تحفظ کے لئے سیاست کرتے ہیں جس طرح حاصل خان روزانہ ٹی وی ٹاک شوز میں بیٹھ کر کہتا ہے کہ بلوچستان میں امن وامان کا مسلہ ہے چیک پوسٹوں کو بڑھانا ہے مذید فوجی نفری تعینات کرنا چاہئے تا کہ امن وامان بحال ہو سکے حاصل خان کا مقصد یہی ہے کہ پھر آزادی کے جدوجہد کرنے والوں کو فوجی طاقت کے ذریعے اسانی سے پکڑا جاسکتا ہے اور آزادی کی تحریک کو نہایت آسانی سے ناکام بنایا جاسکتا ہے جو خام خیالی کے سوا اور کچھ نہیں۔یہ تحریک ضرور نوجوانوں کی لہو سے ایک دن اپنی منزل ومقصود تک پنچ جائے گی جس سے ہر کسی کو بلوچستان ایک آزاد وخودمختار ملک نظر آئے گا۔

گزشتہ دنوں تواراخبار کی شہ سرخیوں میں این پی کے مرکزی صدر ڈاکٹر مالک کا بیان پڑا جس میں کہا گیا تھا حکومت میں بیٹھے لوگ قوم کی نہیں اسلام آباد کی نمائیندگی کررہے ہیں اور آزادی پسندوں کو دعوت دیتا ہوں کہ وہ این پی کی غلطیوں کا نشاندہی کریں۔میں ڈاکٹر مالک سے ذرا کچھ سوالات پوچھنے کی جسارت کرتا ہوں۔

1:آپ پانچ سال تک سینٹ کے ممبر رہے ہر قرارداد کی منظوری آپ کی دسخط سے پاس ہوتا تھا۔سینیٹر منتخب ہونے کے لئے ضروری ہوتا ہے کہ اس کو صوبائی اسمبلی کے 3,ووٹ حاصل ہو،آپ کہتے ہیں صوبائی اسمبلی میں ہمارا کوئی نشست نہیں اگر نشست نہیں ہوتا آپ کیسے پانچ سال تک سینٹ میں ہوتے اور حاصل خان کیسے سنیٹر ہیں؟

2:آپ پانچ سال تک اسلام آباد میں کس کی نمائیندگی کرتے رہے آیا سینٹ حکومت کا حصہ نہیں ہے جس کی منظوری کے بغیر کوئی قرارداد پاس نہیں ہوتا پاکستان کی پارلیمنٹ میں ہر ہفتہ قرارداد سینٹ میں آتا رہتا ہے اور منظوری کے لیے ضروری ہوتا ہے کہ سینٹ قرارداد کو پاس کرے۔آپ کیسے کہتے ہیں سینٹ حکومت کا حصہ نہیں۔آپ کہتے ہیں اسلام آباد بہرا،گونگہ اور آندھا ہے پھر آپ نے اس بہرے گونگے اور آندھے کے ساتھ پانچ سال کیوں گزارا اور حاصل خان ابھی تک حکومت کے گود میں کیوں بیٹھا ہوا ہے؟

3:آپ آزادی پسندوں کو مانتے ہی نہیں آپ کی نظر میں وہ سب بے تعلیم،جاہل، بھتہ ہور،بدمعاش،مہم جو،اور مایوس لوگ ہیں جو آپکی یہ باتیں ان ریکارڈ موجود ہیں،پھر ان کو کیوں دعوت دیتا ہے کہ این پی کی غلطیوں کا نشاندہی کریں آپ کب اتنے پاک وصاف ہوئے آج دعوت دیتے ہو،وہ لاکھ بار اپکی غلطیوں کا نشاندہی

کر چکے ہیں اور کر بھی رہے ہیں لیکن آپ کی کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی، آپ بی بی ذلیخا کی قصہ کو کیوں دہراتے کہ بی بی ذلیخا عورت تھی یا مرد این پی نے اتنی غلطیاں کی ہیں کہ وہ اب ناسور بن چکی ہیں جسکا علاج ممکن نہیں آپ کیسے آزادی پسندوں کی باتیں مانتے ؟

4: آزادی پسند آزادی چاہتے ہیں آزادی کے لئے جدو جہد کر رہے ہیں شہید ہو رہے ہیں، آپ کیوں ان کی قربانیوں پر لات مارتے ہیں آپ کہتے ہیں یہ سب ضائع ہو رہے ہیں ان کا کوئی ویژن نہیں آپ کا ویژن کیا ہے جو بلوچوں کی قومی تشخص اور خوشالی کا ضامن ہو ؟

5: آپ پاکستان کی آئیں میں رہ کر فیڈریشن کی سیاست پر یقین رکھتے ہیں نوکری ،گھنٹہ، ٹیکہ اور بیک مانگتے ہیں آپ کے خیال میں کیا بلوچ یہی ڈیمانڈ کر رہا ہے یا کچھ اور ڈیمانڈ کر رہا ہے ؟

6: آپ اسلام آباد کے سینے میں بیٹھ کر کیا دنیا کو یہ تاثر نہیں دے رہے کے ہم پاکستان کے حصے ہیں آزادی کا مطالبہ غلط ہے بس بنیادی حقوق چاہتے ہیں آزادی نہیں چاہتے ہمیں پاکستانی شہری سمجھا جائے ہم سے سوتیلی ماں جیسا سلوک نہ کیا جائے ؟

7: آپ کیوں بھول گئے 2004 میں بلوچستان اسمبلی میں آپ کے منتخب رکن جان محمد بلیدی نے قرارداد پیش کیا کہ جو گیس پائپ لائینوں اور بجلی کے ٹاورز کو اڈا رہے ہیں ان کو دہشتگرد قرار دیا جائے آپ کو پنجابیوں پر اتنا ترس کیوں آیا یہ وہی گیس پائپ لائن ہے جس سے پنجاب کی فیکٹریاں اور صنعتیں چل رہی ہیں جو پنجابیوں کو مل رہی ہے بلوچوں کے علاقے سے نکل کر بھی بلوچوں کو مل نہیں رہی ہے آپ کو بلوچوں کا خیال کیوں نہیں آیا پنجابیوں کا خیال آیا آپ کیا یہی چاہتے تھے کہ پاکستان بلوچستان کی گیس کو صرف پنجابیوں کے استعمال سے ختم کرے؟

8: جو لوگ آزادی کے جدو جہد کرنے والوں کو ایم ائی اور ائی ایس ائی کے ہاتھوں اغوا و شہید کرواتے ہیں پھر ان کو غداری کے نام سے بلوچ سرمچار قتل کر دیتے ہیں آپ ان کے گھر والوں کو کیوں اکسا کر سرمچاروں کے خلاف پریس کانفرنس اور مظاہرے کرواتے ہیں ؟

9: مولا بخش دشتی کے قتل کے بدلے میں طارق بلوچ اور جمیل یعقوب کو کیوں پاکستانی خفیہ اداروں کے ہاتھوں اغواء کرا کے شہید کروایا نسیم جنگیاں کی قتل کا ذمہ داری بی ایل ایف پر ڈالا ان سے وضاحت طلبی کیوں مانگا پھر آحباری بیان جاری کیا ہم نے مولا بخش دشتی کے قاتلوں کو ان کے انجام تک پنچا دیا ہے آپ کا واضح اشارہ شہید طارق بلوچ اور شہید جمیل یعقوب کی طرف تھا اور کہا نسیم جنگیاں کے قاتلوں کا حشر بھی یہی ہوگا آپ کی یہ باتیں ابھی تک آخبار کی شہ سرخیوں میں موجود ہیں کیوں آپ اس طرح غیر زمہ دارانہ کام کرتے ہیں؟

10: شہید قدیر کے تعزیت میں ان کے گھر والوں کو واحد کمبر دلیف شکاری حیتان مری اور ڈاکٹر اللہ نذر کے خلاف کیوں ورغلانے کی کوشش کی گئی شہد قدیر کی خون کا بدلہ ان سے کیوں لینے کا مشورہ دیا کہ یہی ہیں شہید قدیر کے قتل کے ذمہ دار، شہید قدیر آزادی کی تحریک کا ایک عظیم سپاہی تھا اس نے دشمن کے خلاف لڑ کر جام شہادت نوش کیا آپ اس طرح کے کیوں پروپگینڈہ کرتے ہیں ان کی قربانیوں کا مزاق کیوں اڈاتے ہیں؟

11: بلوچ قومی فوج بی ایل ایف کو کیوں بھتہ خوروں کا ٹولہ قرار دیتے ہو وہ ایک عظیم مقصد بلوچستان کی آزادی کے لئے برسر پیکار ہیں ان کی عظیم قربانیوں سے کیوں انحراف کرتے ہو ؟

12 دنیا کے چھوتواں نمبر بڑے منشیات فروش امام بیل کو کیوں اپنی پارٹی میں رکھا ہے جس نے بلوچ قوم کو نشے سے مفلوج بنایا ہے جس نے چند دنوں پہلے عبدراحمان دشتی کو اپنے گھر میں بلا کر قتل کیا آپ کیا سمجھتے ہیں اگر عبدراحمان کی لاش امام بیل کے گھر میں برامد نہ ہوتی آپ کیا اس کے قتل کی ذمہ داری بی ایل ایف پر نہیں ڈال دیتے ؟

13: آپ کہتے ہیں حکومت سنجیدہ نہیں ہے بلوچستان مسئلہ حل کرنے میں اگر وہ بلوچستان مسئلہ حل کرنے میں سنجیدہ نہ ہوتی وہ کبھی بلوچ عوام کو اغواء نہ کرواتی اور نہ اپنے ٹارچر سیلوں میں تشدد کرواتی اور نہ انکی مسخ شدہ لاشیں پھینکواتی وہ سنجیدہ ہے اس کی نظر میں بلوچستان مسئلہ کا حل یہی ہے ،،اغواء، کرو مارو، اور پھنکودو،، اس کو چھوڑو آپ کی پارٹی کب سنجیدہ ہوگی اپنا قبلہ درست کریگی ؟

14: آپ کیوں پارلیمانی سیاست پہ یقین رکھتے ہو غیر پارلیمانی سیاست پہ یقین نہیں رکھتے ؟

15؛ آپ کیوں بلوچستان کو پاکستان کا صوبہ قرار دیتے ہیں مقبوضہ ملک قرار نہیں دے دیتے ؟

16:آپ صوبائی خودمختاری کی بات کرتے آزادی کی بات کیوں نہیں کرتے ؟
17:آپ کے پارٹی ورکرز ایجنسیوں کے ہاتھوں کیوں اغواء نہیں ہوتے اور نہ شہید ہوتے جبکہ عام بلوچ اغوا اور شہید ہورہے ہیں یہ ایک سوالیہ نشان ہے ؟
18:آپ کی پارٹی آزادی پسند جماعتوں کی ہڑتال کے کال کی حمایت کرنے کے بجائے مخالفت کیوں کرتی ہے ؟
19:آپ کی پارٹی آبادکاروں کے قتل کی مخالفت کیوں کرتی ہے یہ وہی لوگ ہیں جو بلوچ قوم کو ایجنسیوں کے ہاتھوں اغوا کروانے میں مدد دیتے ہیں ؟
20:آپکی پارٹی کے مرکزی رہنما حاصل خان کیوں انڈیا جا کر دہلی کانفرنس میں کہتا ہے بلوچ دہشتگرد سرمچاروں کو مالی مدد بند کریں اپکی پارٹی کی نظر میں کیا بلوچوں کو انڈیا سپورٹ کر رہا ہے یا بلوچ اپنی مدد آپ کے تحت اس جنگ کو لڑ رہے ہیں کیا بلوچ بھارت کے کہنے پر لڑ رہے ہیں یا آپنی آزادی کی بہالی کے لئے خود لڑ رہے ہیں؟

اپکی پارٹی کے بہت سی غلطیاں ہیں لہاظہ میں نے آزادی پسند جماعتوں کی جدو جہد کو مانتے ہوئے آپکی چند غلطیوں کو ظاہر کیا ہے جس کا وضاحت کرنا بہت ضروری ہے تاکہ بلوچ قوم کو اصل حقیقت کا اور بھی پتہ چلے ویسے بلوچ قوم آپکی پارٹی کی اصلیت کے بارے میں بہت واقفیت رکھتی ہے پھر بھی میں نے چند مختصر سوال اٹھایا ہے جس کی نشاندہی کے ساتھ اگر میں نشاندہی کے ساتھ ساتھ سوالات کے جوابات طلب کروں ایک کتاب تیار ہوگی لہاظہ چند سوالات اس لئے پڑنے والوں کے خدمت میں رکھا ہے۔اگر آپکی پارٹی واقعی مخلص ہے تو بلوچ قوم سے اپنے جرائم کا اعتراف کر کے آپنے کئے ہوئے گناہوں کا معافی مانگ لیں پھر دیکھ لیتے ہیں بلوچ قوم کی عدالت کیا فیصلہ کرتی ہے آپکی پارٹی کو اتنے گناہ کرنے سے بخش دیتی ہے یا اس کے لیے سزائیں مقرر کرتی ہے۔

gohrambaloch96@yahoo.com

نوآبادی نظام کا شکار شخص اپنے غصے کا اظہار اپنے ہی لوگوں کے خلاف کرتا ہے۔نوآبادی پولیس اور فوج جب انہیں بے عزت اور ان پر تشدد کرتا ہے تو وہ کچھ نہیں کر سکتے لیکن مقامی باشندے ایک دوسرے کی معمولی بات پر جارحانہ کاروائیاں کرتے ہیں کیونکہ ان کے نزدیک اپنی شخصی آزادی کی دفعہ کی آخری جگہ اپنی ہی بھائی کی مدمقابل ہے۔

☆☆☆☆**فرانز فینن**☆☆☆☆

ما در وطن بلوچستان کی فر یا د

بانک ماہ گل بلوچ

حب الوطنی کا جذبہ مہذب اقوام کی علامت ہوتی ہے جو آزاد قومیں وسیع وعریض سرزمین کے مالک ہوتے ہیں الگ تہذیب وتمدن، رسم ورواج، زبان اور قدیم ثقافت رکھتے ہیں وہی آزاد قومیں آزادی سے زندگی گزار سکتی ہیں۔ جب کسی آزاد قوم پر استحصالی طبقہ قبضہ کرتا ہے، تو مظلوم قوم کو تمام مذہب بھی اپنا حق کی خاطر لڑنے کی اجازات دیتی ہے۔ تو عظیم فکر وسوچ کے مالک اپنی بقا کی خاطر جدوجہد کے وہ راستہ چن لیتے ہیں جس کے ذریعے سے وہ اپنی قومی غلامی کو ختم کر دیتے ہیں۔ مگر اس کو سائنسی طریقہ کار کے ذریعے سے اپنی سرزمین کی آزادی کے لیئے ایک جھنڈے تلے جمع ہو جاتے ہیں۔ غلامی سے نجات اور آزادی کی جدوجہد کے لیئے تنظیمیں بنائی جاتی ہیں جہاں غلام قوم کو آزادی کے حصول کی اہمیت اور اپنے سر زمین کی حفاظت کا درس دیا جاتا ہے۔ آزادی کی راہ میں تنظیمیں غلامی سے نجات کیلئے کام کرنے والے سیاسی کارکنوں کی سیاسی، علمی اور عملی تربیت کرتے ہیں۔ جب آزادی کا سوچ وفکر ہم اپنے اذہان میں سمو لیتے ہیں تو ہم انقلاب کی راہ کے حامی ہو جاتے ہیں۔ انقلاب اس تبدیلی کا نام ہے جو نہ صرف ایک قوم کو غلامی سے آزادی کی طرف راغب کرتا ہے بلکہ غلام فرد کو اس کے سرزمین اور قوم کی اہمیت سے روشناس کرواتا ہے اور عملی اقدام اُٹھانے کا درس دیتا ہے۔ انقلاب قوموں کو برداشت سکھاتی ہے انقلاب حق مانگنے کا درس دیتی ہے اور ذاتی اختلاف کو غیر انقلابی قرار دیتا ہے جو لوگ خود کو انقلابی کہتے ہیں لیکن اپنے دوسرے آزادی پسند وہم خیالوں کے بارے میں اپنے ذہن میں غلط فہمیاں اور ذاتی اختلافات رکھتے ہیں تو ایسے لوگ انقلاب کی تقدس کو پامال کرتے ہیں۔ انقلابی انا کی حفاظت سے دور بھاگتے ہیں۔ انقلابی سوچ وفکر کے بدولت غیر انقلابی سے منفرد ہوتا ہے۔ اگر کسی شخص کے ذہن میں غلط فہمی اور غلط سوچ ہو تو بات چیت سے اسے دور کیا جاتا ہے یا پھر سالوں اختلافات میں وہ اپنی زندگی بسر کرتے ہیں لیکن انقلابی لوگوں کو آزادی کی راہ میں تنظیموں میں تربیت کرتی ہیں۔ کہ وہ تنقید واصلاح سے کام لے کر انقلابی لوگ کسی بات پر جھگڑا نہیں کرتے یا جھگڑے کے ذریعے اپنی غلط فہمیاں دور نہیں کرتے بلکہ تنقید کے سامنے والے کا اصلاح کی موقع فراہم کرتی ہے۔ انقلابی بحث ومباحث میں دلیل کے ساتھ اپنی بات منوا لیتے ہیں، انقلابی اپنی ذاتی مفاد کو ترک کرتا ہے اور قوم کے لیے کوئی بھی عمل کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے۔ بھگت سنگھ اپنے پیغام میں سیاسی کارکنوں میں کہتے ہیں ''اگر آپ کاروبار سے وابستہ ہیں یا پھر روزمرہ کاموں اور خاندان میں مصروف رہنے والے آدمی ہے تو مہربانی کر کے آگ سے مت کھیلے ہمیں لینن کے الفاظ میں پیشہ وار نہ انقلابی چاہیں'' انقلابی انقلاب کو اپنا پیشہ مان کر سرانجام دیتا ہے۔

ما در وطن بلوچستان کی تحریک آزادی میں ہر ایک تنظیم اپنے اپنے طریقہ کار کے مطابق آزادی کے مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کوشاں ہے، جہاں کہی بھی آزادی کی تحریک چل رہی ہیں، وہاں نوجواں کی کردار صف اول ہے اور خاص کر طالب علموں کی کردار مشالی ہے۔ ہم بلوچستان کے آزادی کی تحریک پر نظر دوڑائیں تو وہاں نوجوانوں کی کردار بھی ہمیں نظر آتی ہے۔ اور ساتھ ساتھ بلوچ طالبعلموں کی کردار بی ایس او (آزاد) کی پلٹ فارم میں دیکھنے کو ملتی ہے یہ بلوچستان میں واحد طلبہ تنظیم ہے جس نے تحریک آزادی کو نوجوانوں اور عوام میں منظّم کیا ہے اور عوام کی حمایت حاصل کی۔ نوجواں قوم کے ریڑھ کی ہڈی ہے اور انقلاب کو منظّم کرنے والی بنیادی اینٹ وآزادی کے راہ کی اکائی ہے۔ ایک غلام قوم کو حاکم علم سے دور رکھنے کی ایڑی چھوٹی کا زور لگاتا ہے۔ علم ''جی حضور'' سے ''کیوں'' کہنے کی طاقت و سوچ دیتا ہے اور بی ایس او آزاد نے اپنے طالب علموں کو صحیح وغلط کے درمیان فرق سکھایا ہے، سامراج غلام کو اپنے پاؤں کے نیچے دیکھنا چاہتی ہے، سوال کرنے نہیں دیتا ہے۔ اس لیے جو زیادہ پوچھتا ہے وہ زیادہ سیکھتا ہے۔ یہ بات ہم اسٹوڈنٹس جانتے ہیں کہ ہمیں اپنی کوئی بھی کمزوری سامراج (پاکستان) کو ظاہر نہیں ہونے دینی ہے لیکن چند آزادی پسند تنظیموں کے کارکنان بی ایس او آزاد کے متعلق بیکار اور بے معنی اختلافات رکھتے ہیں۔ ایک آزادی پسند کو سامراج کے سامنے اپنی کوئی بھی کمزوری ظاہر نہیں کرنی چاہیے۔ 19 جنوری 2013 کو ایکسپریس نیوز پر ایک پروگرام میں جس سے شاہد پاکستانی میڈیا کا دماغ بلوچ اختلافات کے معاملے میں سیراب ہو جاتا لیکن ایسا ہو نہیں سکا کیونکہ ہمارے سیاسی لیڈروں کو ایسا کرنا نہیں چا

ہیےلیکن اسٹوڈنٹس تنظیموں کے اختلافات نے پاکستانی میڈیا کو حیرت میں ڈال دیا تھا اور وہ اسی بات کو رائی کا پہاڑ بنا کر عالمی دنیا کے سامنے ظاہر کرنا چاہتے تھے۔ پروگرام میں بانک حوران بلوچ اور بشیر عظیم بلوچ مدعو تھے جن سے بہت سے سوال جواب ہوئے لیکن پروگرام میں ایک سوال پوچھا گیا جو بہت ہی چھوٹی سوال تھی لیکن اس سوال کا جواب وسیع ہوسکتا تھا جس پاکستانی میڈیا کا منہ بند ہوجاتا۔سوال بانک حوارن سے تھا جو بی آر پی خواتین ونگ کی سربراہ ہیں اور ایک انقلابی سیاسی کا رکن ہیں مجھ سے زیادہ مندرجہ بالا باتوں سے آگئی رکھتی ہیں۔سوال یہ تھا کہ آپ کی تنظیم، بی،ایس،او(آزاد) کو کیوں نہیں مانتی حالانکہ یہ ایک اسٹوڈنٹس تنظیم ہے اور اسٹوڈنٹس ہی انقلاب لاتے ہیں؟ اس سوال کا جواب حوران بلوچ نے کچھ واضح الفاظوں میں جواب نہیں دیا بلکہ صرف یہاں تک کہا کہ ''ہم مانتے ہیں''

ہم بلوچستان کی جدوجہد کررہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔آزادی صرف عملی صورت میں جدوجہد سے ملتی ہے نہ کہ ظاہراً صرف آزادی کا نعرہ لگانے سے۔ ہمارے شہیدوں کی فہرست بہت لمبی ہے ہمیں اپنے شہیدوں کی طرح کام کرنے وا لے بھی چاہیے وہ لوگ چاہیے جو اپنا عمل وفکر ہمارے آنے والے نسلوں کے لیے چھوڑے جیسے کہ ہمارے شہیدوں اور اسیران نے عمل وسوچ چھوڑا ہے

۔حالانکہ اس سوال کا جواب وسیع ہوسکتا تھا جس سے سامراجی میڈیا میں بلوچ تحریک آزادی کے اختلافات کو استعمال کرنے کی کوشش ناکام ہوسکتی تھے لیکن انہوں نے اپنے جواب کو یہاں تک محدود رکھنا زیادہ مناسب سمجھا۔

ہم بلوچستان کی جدوجہد کررہے لیکن ہم یہ نہیں جانتے کہ اس کا مطلب کیا ہے۔ آزادی صرف عملی صورت میں جدوجہد سے ملتی ہے نہ کہ ظاہراً صرف آزادی کا نعرہ لگانے سے۔ ہمارے شہیدوں کی فہرست بہت لمبی ہے ہمیں اپنے شہیدوں کی طرح کام کرنے والے بھی چاہیے وہ لوگ چاہیے جو اپنا عمل وفکر ہمارے آنے والے نسلوں کے لیے چھوڑے جیسے کہ ہمارے شہیدوں اور اسیران نے عمل وسوچ چھوڑا ہے۔الجزائر کے ایک گوریلہ نوجوان شمس کی ماں اسے یہی کہتی ہے کہ مارکے مرو، اگر جذبات سے کام لوگے تو مار دیئے جاؤگے اگر بھگی بلی ہونا دشمن کے سامنے ظاہر کروگے تو مار کے مروگے اور قوم کا ایک نوجوان ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔

دہائیوں سے تو ظلم سہتی آرہی ہے خود پر
لیکن اب بھی فخر کرتی ہے اپنے بلوچ اولادوں پر
امیدیں تیری بہت ہے اپنی اولادوں سے
تیری امیدوں نے تیری بیٹیوں کو بھی جنجوڑ دیا خواب غفلت سے۔
بے حرمتی ودیکھی تو نے چادر کی پامالی اپنی بیٹیوں کی
لیکن تیرے یقین نے تیری بیٹیوں کو بھی جگا دیا خواب غفلت سے
ہمراہ ہے بی بی بانڑی بلوچ اور سمی و بانک کریمہ کی طرح اپنے بھائیوں کی
پاک دھرتی جس سے قدم باہر نہ رکھ سکتی تھی تیری بیٹیاں
لیکن اپنے فرزندوں کا خون خود پر برداشت نہ کرتے ہوئے تو تھڑتھڑا گئی
تھڑتھڑا کر تو نے اپنی بیٹیوں کو بھی جنجوڑ دیا ان کے بھائیوں کا خون دکھا کر
اپنی بیٹیوں سے بھی کہا جاؤ میری پاسداری کرو، میری شناخت بچاؤ، منظم کرو، یکجا ہوجاؤ سب کو یکجا کرو،
سنبھال لو میری غیرت میری فرزندوں بھگا دو غیروں کو آزادی کا جشن مناؤ۔

فلپائن کی طویل جد وجہد آزادی

زرین فاطمہ

نوٹ: زیرِنظر تحریر زرین فاطمہ کی مختلف ممالک تحریکوں پر لکھی گئی کتاب ''چاول، امن اور آزادی'' سے لی گئی ہے

ایشیا کے ساحل سے 600 میل دور بحرالکاہل کے بہرے نیلے پانی میں فلپائن کے جزائر پھیلے ہوئے ہیں۔ ان کے چاروں طرف بپھرا ہوا طوفانی سمندر ہے۔ اسی سمندر میں فلپائن کے حسین جزائر سبز زمرد کی مانند جگمگاتے ہیں۔ یہ سرسبز وشاداب جنگلوں سے ڈھکے ہوئے جزائر تیز مون سون ہواوں کی زد میں رہتے ہیں۔ کہیں کہیں آتش فشاں کا لاوا اور آگ ان جزیروں کو جھلساتے ہیں۔ ہزاروں سال سے طوفانوں اور آتش فشاوں کے اس دیس میں لاکھوں انسان آباد ہیں۔ انہوں نے اس قدرتی ماحول کے ساتھ مل کر جرات سے جینا سیکھ لیا ہے۔

جغرافیہ اور قدیم تاریخ:

فلپائن کے شمال میں جاپان، کوریا اور تائیوان ہیں۔ جنوب میں بورنیو اور مغرب میں چین، ویتنام اور تھائی لینڈ ہیں۔ فلپائن کے جزائر کی تعداد تقریباً 7100 ہے اس تعداد میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔ کبھی کوئی چھوٹا سا جزیرہ بحرالکاہل کے سمندر میں گم ہو جاتا ہے اور کبھی آتش فشانی کے عمل سے کوئی نیا جزیرہ ابھر آتا ہے۔ یہ جزائر 1200 میل کے رقبے میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ان جزائر کی کل زمین 115,600 مربع میل ہے۔ یہ فلپائن کے کل رقبے کا 1/6 حصہ ہے۔ سمندر کے کچھ حصے ایسے ہیں جو چاروں طرف زمین سے گھرے ہوئے ہیں۔ 'لوزون' اور 'منڈاناؤ' سب سے بڑے جزیرے ہیں۔ یہ فلپائن کی کل زمین کا 2/3 حصہ ہے۔ دوسرے 9 جزیرے بھی اہم ہیں۔ سیبو، نیگروس، بوحول، پانائے، لی تے اور سمر جو مباتے، مینڈورد تقریباً جڑا ہوا ہے۔ اس کے 6500 جزیروں کی کوئی معاشی اہمیت نہیں ہے بلکہ 4000 جزیرے ایسے ہیں جنہیں نقشے میں کوئی نام نہیں دیا گیا ہے۔ فلپائن میں کہیں شدید بارش ہوتی ہے اور کہیں اکثر زلزلے آتے رہتے ہیں۔ تقریباً آدھے ملک میں جنگلات پھیلے ہوئے ہیں فلپائن کے زیادہ تر لوگ ساحل سمندر کے کنارے آباد ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ ہزاروں سال پہلےفلپائن زمین کے ذریعے جزیرہ نما ملائیشیا، سماترا اور بورنیو سے جڑا ہوا تھا۔ اسی راستے سے انسان ابتدا میں ان جزائر تک پہنچا۔ یہاں سب سے پہلے پستہ قد نیگرو آئے۔ وہ اب بھی الگ تھلگ دور پہاڑی علاقوں میں آباد ہیں ایشیا سے چھوٹے قد کے منگول زمین کے راستے یہاں پہنچے۔ وہ اپنے ساتھ زراعت کی ابتدائی تیکنیک بھی لائے۔ وہ جنگل کو جلا کر زمین کو قابل کاشت بناتے تھے اور جڑیں بو کر یہاں کاشت کرتے تھے۔ لیکن سمندر ہی وہ سب سے اہم شاہراہ ہے، جس کے ذریعے بیشتر لوگ یہاں پہنچے اور ہمیشہ سمندر کے قریب ہی آباد رہے۔ یہ لوگ مضبوط کشتیاں بنا سکتے تھے اور بحرالکاہل کے طوفانی سمندر میں ان کشتیوں میں سفر کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ وہ پتھر کے عہد کی ایک نئی تہذیب سے تعلق رکھتے تھے۔ پتھر کی نکیلی کلہاڑیوں اور دوسرے اوزار کو استعمال کر کے وہ پتھر کی دیواروں کے پائیدار مضبوط مکان بناتے تھے۔ جن کی چھتیں گھاس کی ہوتی تھی۔ وہ چاول اور دوسرے اناج کی کاشت کرتے تھے۔ جنوبی چین اور ویت نام سے لوگ مسلسل فلپائن آتے رہے۔

تقریباً 2700 سال پہلے فلپائن میں آبپاشی کے ذریعے چاول کی کاشت کی جاتی تھی۔ اس طریقہ پیداوار کے لئے نہ صرف بہتر صلاحیت اور اچھے اوزار بلکہ ایک بہتر سماجی تنظیم کی بھی ضرورت تھی۔ جنوب مشرقی ایشیا سے آنے والے چھوٹے گروہوں کے ذریعے یہ تیکنیک فلپائن پہنچی تھی۔ اس دور میں کانسی کے اوزار اور ہتھیار بنائے جاتے تھے۔ اب چاول کھیتوں میں بوئے جانے لگے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ پہاڑوں پر بھی آباد ہو گئے اور وہاں کاشت کرنے لگے۔ پہاڑوں پر رہنے سے انہیں ملیریا سے نجات حاصل ہو گئی۔ لیکن یہاں فصل کاشت کرنے کے لئے لوگوں کو سخت محنت کرنی پڑتی تھی۔ شمالی لوزون کے پہاڑوں پر واقع چاول کے کھیتوں کے سلسلے کو دنیا کا آٹھواں عجوبہ قرار دیا جاتا ہے۔ دو ہزار سال پہلے ان بلند و بالا پہاڑوں پر کھیت بنائے گئے تھے اور ان کھیتوں کے چاروں طرف ایک پتھر کی دیوار تعمیر کی گئی تھی۔ ان کھیتوں میں ایک بڑے پیچیدہ عمل کے ذریعے پانی لا کر سینچائی کی

جاتی تھی ۔ان کھیتوں کو بنانے والوں نے پہاڑوں پر گھنے جنگلوں کو پوری طرح محفوظ رکھا ،تا کہ پہاڑوں کوٹوٹ پھوٹ سے بچایا جا سکے۔ یقیناً یہ فلپائنی قوم کی محنت اور ذہانت کا ثبوت ہے جس نیاس منصوبے کو کامیابی سے مکمل کیا اور آف ہزاروں سال بعد بھی یہ محفوظ ہے۔

300 ق م 200 ق م کے دوران بہت بڑی تعداد میں ملائے قوم کے افراد یہاں آ ئے وہ اپنے ساتھ ہوہے کے اوزار اور ہتھیار لائے ۔وہ کپڑے بننے اور برتن بنا نے کے فن سے بھی آ گاہ تھے۔ وہ درخت کے بڑے بڑے تنوں کو اندر سے کھوکھلا کر کے کشتیاں بناتے تھے۔ یہ زیادہ تر وسطی 'وسایان' میندار واور جنوب مغربی لو زون میں آباد ہوئے ۔فلپائن میں مسلسل نئے نئے گروہ آتے رہے۔اسی وجہ سے ملک میں کم از کم 70 مادری زبانیں بولی جاتی ہیں ۔ان میں سے آٹھ اہم زبانیں ہیں۔ ان جزائر میں عام طور پر لوگ برادری کی صورت میں منظّم ہو کر رہتے تھے۔ یہ برادری ، باران گائے ،بھی کہلاتے تھی۔'باران گائے' ان کشتیوں کو کہتے تھے،جس میں 'ملائے' فلپائن کے جزائر میں آئے تھے۔ایک برادری میں سو کے قریب خاندان شامل ہوتے تھے۔ان کا سردار 'داتو' کہلاتا تھا۔ یہ تجارتی بحری راستوں کی قدرتی بندرگاہوں پر آباد ہو جاتے تھے جہاں انہیں طوفان سے بھی پناہ ملتی تھی۔تال آتش فشاں کے گرد بھی بہت سے گاوں آباد تھے تال آتش فشاں کے پھٹنے پر اس کی راکھ میں دب گئے ۔ان جزائر میں اکثر آتش فشاں پھٹتے رہتے تھے۔لیکن یہ زمین اس قدر زرخیز تھی کہ لوگ پھر بھی یہاں آباد ہوتے رہے۔ان جزائر میں رفتہ رفتہ کئی بندرگاہوں کو اہم تجارتی حیثیت حاصل ہوگئی۔ یہاں چینی ،عر ب اور ہندی تاجروں کے تجارتی جہاز بھی آیا کرتے تھے۔اسی وجہ سے چینی ،عربی اور ہندی زبان کے الفاظ مقامی زبانوں میں شامل ہوتے رہے۔

ہزاروں سال تک فلپائن کے جزائر پر کسی دوسرے ملک نے حملہ نہیں کیا تھا۔ یہ جزائر جنوب مشرقی ایشیا کے ساتھ تجارت کرتے تھے۔ بندرہویں صدی کی ابتدا میں منگ بادشاہ 'یونگ لو' کے دور میں چین نے فلپان پر حملہ کیا اور 'لوزون' میں چینی گورنر مقرر کیا گیا۔چین کنٹرول نہیں کر سکتے تھے۔ان کے اپنے سیاسی مسائل کافی تھے۔آٹھویں صدی میں سماترا کی 'سری دجے' ریاست کے عروج کے زمانے میں فلپائن کا اس علاقے سے گہرا رابطہ قائم ہوگیا۔ان ملائے جزائر کی دولت اور طاقت میں تیزی سے اضافہ ہو رہا تھا۔1912 میں جاوا میں ایک طاقتور ریاست قائم تھی۔ جاوا اور اس علاقے میں قا ئم ہونے والی دوسری ریاستوں نے فلپائن کے جزائر کو فتح کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ان کے فلپائن کے ساتھ بڑے گہرے تہذیبی رشتے تھے۔آج بھی فلپائن اپنے ماجی کو اس دور کے انڈونیشیائی جزائر کے ساتھ منسلک کرتے ہیں ۔اسلا م 'چودھویں اور پندرہویں صدی میں لوزون کے جزیرے میں پھیلنے لگا۔

اسپین کی آمد سے پہلے فلپائن کے جزیروں میں زمین گاوں کی اجتماعی ملکیت ہوتی تھی۔ ہر خاندان کو اس کی ضرورت کے مطابق زمین دی جاتی تھی۔گاوں میں بااثر زمینداروں کو نسبتاً زیادہ فائدہ ہو جاتا تھا۔گاوں کی وہ زمین جس پر کاشت نہیں کی جا تی تھی۔وہ گاوں کی اجتماعی ملکیت تھی۔عام کسان اپنی ضرورت کی لکڑیاں اور جڑی بوٹیاں وغیرہ اس سے حاصل کر سکتا تھا۔اسی طرح چراگاہ بھی اجتماعی ملکیت ہوا کر تی تھی۔زمین کی انفرادی ملکیت کے کاغذات بھی نہیں ہوتے تھے۔سمندر کے کنا رے رہنے والے عموماً مچھلیاں پکڑا کرتے تھے۔گاوں میں تمام مذہبی رسم ورواج کی نگرانی بوڑھی عورتیں کیا کرتی تھیں ۔چودھویں صدی سے ان دور دور پھیلی ہوئی آبادیوں میں سماجی اور معاشی ترقی تیزی سے ہونے لگی۔ملائے ،چینی ، ہندی اور عرتاجروں کے ساتھ تجارت میں بہت اضافہ ہوگیا تھا۔دوسرے ملکوں سے سامان کے تبادلے کیلئے مقامی کاریگر مختلف چیزیں بنانے لگے۔لیکن اس معاشی سرگرمی کے باوجود ان جزیروں میں حکومت وریاست کا کوئی منظّم نظام نہیں تھا۔لوگ صر ف اپنے مخصوص علاقے میں مل جل کر رہتے تھے۔ابھی وہاں بڑا زمین دار طبقہ وجود میں نہیں آیا تھا۔نہ بڑا امیر طبقہ پیدا ہوا تھا اور نہ شہر وجود میں آئے تھے۔ابھی وہاں بڑے زمین داروں ضرورت ہوتی ہے۔عام لوگوں کو ان کی ضرورت ہی نہیں تھی۔مختلف جزیروں میں لوگوں کے آپس میں لین دین کے تعلقات قائم تے۔کبھی آپس میں چھوٹے موٹے جھگڑے بھی ہوتے تے جو آپس کی بات چیت سے طے ہو جاتے تھے۔چنانچے فلپائن کی قدیم تاریخ میں نہ پرانے شہر تھے اور نہ پرانے راج پاٹ کے جھگڑے۔اسی لئے ہسپانوی جنگی بیڑے کے سپاہیوں نے جزائر کے ایک چھوٹے سے گاوں پر آسانی سے قبضہ کر لیا یہ سامراجی مہم جووں کا کسی سلطنت پر تسلط نہیں تھا۔ بلکہ کسانوں مچھیروں اور دست کاوں کی بستیوں پر قبضہ تھا۔فلپائن کا قدیم جاج جدید ریاستی نظام سے شکست کھا گیا۔

ہسپانوی سامراجیوں کا حملہ:

سولہویں صدی میں یورپ کا سامراجی ملک اسپین آزاد کسانوں، مچھیروں اور ہنر مند کاریگر کی چھوٹی چھوٹی آزاد بستیوں پر حملہ آور ہوا۔ان جزائر کی تاریخ میں ان بستیوں کو صرف ایک بار چینی جارحیت کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ان پر کبھی کسی پڑوسی ملک نے حملہ نہیں کیا تھا۔وہ سیاست، تجارت، مذہب اور سامراجیت کے کھیل سے ہزاروں سال تک محفوظ رہے۔اسپین کے بادشاہ فرڈیننڈ نے ایک بحری بیڑا مشرق کی طرف بھیجا تھا۔اس بحری بیڑے کا کپتان 'میگ لان' فلپائن کے جزیرہ 'میکتان' میں ایک مقامی سردار کے ساتھ لڑائی میں فارا گیا۔(اب اس واقعہ کو فلپائنی حریت پسند اپنی آزادی کی طویل جدوجہد کی ابتدا قرار دیتے ہیں۔) لیکن اس کے دوسرے ساتھی 1521 میں لوزون پہنچ گئے۔اسپین کے بادشاہ فلپ دوئم کے نام پر ان جزائر کو فلپائن کا نام دیا گیا۔اسپین ان جزائر پر قبضہ کر کے مشرقی ایشیا کے امیر ملکوں چین اور مولوکا پر قبضہ کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا۔1561 میں اسپین کے شاہ کا نمائندہ 'لیگا سپی' فلپائن آیا۔اسے شاہ اسپین نے مشورہ دیا تھا کہ ان جزائر و فوجی کاروائی کے ذریعے فتح نہ کرے بلکہ دوسرا طریقہ اختیار کرے۔گو کہ فلپائن پر حملہ آور ہسپانوی اپنے آپ کو صلیب اور تلوار کا سپاہی قرار دیتے تھے، لیکن انہوں نے شاہ کے مشورے پر عمل کیا۔اسپین کے بے شمار پادریوں اور سپاہیوں کی فوج نے آہستہ آہستہ مقامی داتوؤں سے تعلقات بڑھائے اور انہیں کیتھولک مذہب میں شامل کیا اور پھر ان کے تعاون سے مقامی آبادی کو کیتھولک بنایا۔کہیں ضرورت ہوئی تو فوجی طاقت بھی استعمال کی گئی۔انہوں نے مختلف برادریوں کے معمولی اختلافات کو بھی ہوا دی اور ان اختلافات سے فائدہ اٹھا کر اپنی طاقت میں اضافہ کیا۔اس پالیسی پر کامیابی سے عمل کر کے انہوں نے بیس سال کے اندر فلپائن پر مکمل کنٹرول حاصل کر لیا۔لیکن میندانا ؤ اور سولو کے علاقے کے مسلمانوں نے کیتھولک مذہب قبول نہیں کیا۔ان سب جزائر میں نئے کیتھولک مذہب کی وجہ سے پرانے نظریات ختم نہیں ہوئے بلکہ سارے پرانے رسم و رواج قائم رہے اور نئے مذہب کا حصہ بن گئے۔

فلپائن پر قبضہ کرنے اور عوام میں کیتھولک مذہب پھیلانے میں ہسپانوی کیتھولک چرچ نے اہم رول ادا کیا تھا۔اس لئے چرچ کا نہ صرف مقامی ہسپانوی حکومت پر کنٹرول تھا بلکہ مقامی عوام پر بھی گہرا اثر تھا۔چرچ کا عام فلپائنی کی زندگی سے مسلسل رشتہ قائم تھا۔پیدائش سے موت تک مذہبی ادارے ایک مخصوص رول ادا کرتے تھے۔اس طرح عوام پر کنٹرول بھی قائم رہتا تھا اور ساتھ ہی ان اداروں کو سرکار اور عوام سے مالی فوائد بھی حاصل ہوتے تھے۔اس کے علاوہ چرچ کے قائم کردہ ہسپانوی تعلیمی اداروں کے ذریعے مقامی فلپائنی امراء سے استوار کیے جاتے تھے۔غیر ملکی سامراجی سرکار فلپائنیوں پر اعتماد نہیں کرتی تھی۔اس نے حکومت کے کسی بھی کام میں فلپائنی لوگوں کو شریک نہیں کیا اور انتظامی ادارے اپنے مکمل کنٹرول میں رکھے۔ان حکمرانوں کو مقامی تجارت سے بھی کوئی دلچسپی نہ تھی۔اسپین اس نو آبادی کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتا تھا کیونکہ یہاں امریکہ کی طرح سونے اور چاندی کی کانیں نہیں تھیں۔میکسیکو اور کیلی فورنیا پر اسپین قابض تھا۔اس لئے ان علاقوں اور چین و فلپائن کے درمیان ہونے والی بحرالکاہل کی تجارت اسپین کے ہاتھ میں تھی۔منیلا کے چاروں طرف کے گھنے جنگلات تیزی سے کٹوانے جا رہے تھے اور لکڑی سے لدے ہوئے بحری جہاز مستقل فلپائن کی بندرگاہوں سے جا رہے تھے۔کیتھولک چرچ اور کئی تاجر انفرادی طور پر جہاز بنانے کے لئے رقم فراہم کر کے جہاز کا ایک حصہ اپنے سامان کے لئے خرید لیتے تھے۔بحرالکاہل کے طوفانی سمندر میں یہ خاصی خطرناک تجارت تھی لیکن زبردست منافع بخش تھی۔کبھی جہاز ڈوب بھی جایا کرتے تھے۔پھر بحری قزاقی بھی عام تھی۔سب یورپی ممالک ایک دوسرے کے جہاز لوٹ لیا کرتے تھے۔اس دور کے برطانوی، بحری قزاق، سر فرانسیس دریک، کو بڑی شہرت حاصل ہوئی۔اسپین کو فلپائن میں چینی تاجروں سے سخت مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔1603 میں اسپین نے 23000 چینوں کو قتل کروا دیا۔اس فلپائن کے جزائر کی اندرونی تجارت کو بہت نقصان پہنچا۔اس لئے چینوں کو دوبارہ تجارت کی اجازت دی گئی۔اپنے تجارتی مفاد کی خاطر ہسپانوی سامراجی بار بار چینوں کو موت کے گھاٹ اتارتے رہے۔

اس طرح فلپائن میں سامراجی تسلط کے دو سو سال گزر گئے۔کیتھولک چرچ نے مذہب کی تبلیغ کا لبادہ بھی اتار پھینکا۔اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔کیتھولک چرچ اپنے تجارتی مفادات کی تکمیل کے لئے ہر قسم کے طریقے اختیار کرنے لگا۔سامراجیوں کی آپس کی تجارتی رقابت اور جنگ کے دوران برطانیہ نے یہ 1762-1764 کے درمیان منیلا پر قبضہ کر لیا۔جب 1765 میں اسپین نے اس پر دوبارہ قبضہ کیا تو اس نے برطانیہ سے تعاون کرنے کے الزام میں سارے چینوں کو جزائر سے نکال دیا۔لیکن اس میں چینی 'میسٹیز' شامل نہیں تھے۔کیونکہ انہوں نے

اپنی ماوں کے کلچر اور کیتھولک مذہب کو قبول کر لی تھا۔ دور دراز علاقے کی نو آبادی فلپائن کو اسپین کی امریکی نو آبادیوں جیسی معاشی اہمیت حاصل نہیں تھی۔ اس لئے اسپین کی سرکار اور کیتھولک چرچ دونوں سب ناپسندیدہ افسروں اور پادریوں کو یہاں بھیج دیا کرتے تھے۔ اس طرح ان افراد سے اسپین کو نجات حاصل ہو جاتی تھی۔ ان سرکاری افسروں اور پادریوں نے فلپائن میں اپنے اختیارات کا پورا فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے تجارت کرنے کے علاوہ بڑی بڑی زمین داریاں قائم کیں اور غریب فلپائنی کسانوں کا استحصال کرنے لگے۔

نسلی امتیاز: سب نسل پرست سامراجی محکوم قوم کو کمتر، گنوار اور جاہل قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ یہ الزام عائد کرنے کے بعد ان کے ساتھ ہر قسم کا ظالمانہ سلوک کیا جاسکتا ہے۔ فلپائن میں اس نسلی امتیاز کی پالیسی کی وجہ 'میستیز و' وجود میں آئے۔ 'میستیز و' ہسپانوی زبان کا لفظ ہے۔ جس کا مطلب ہے 'ملا جلا خون'۔ یہ دو نسلوں کے ملاپ سے پیدا ہونے والے لوگوں کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ فلپائن اور دسی دوسری نسل کا فرد ہسپانوی 'میستیز و' کو چینی 'میستیز و' برتری حاصل تھی۔ 1842 میں ہسپانوی خفیہ رپورٹ میں اس نسلی امتیاز کو قائم رکھنے پر بہت زور دیا گیا تھا اور میستیز و اور ملائے فلپائنی کو ایک دوسرے سے علیحدہ رکھنے کا مشورہ دیا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں ان کے اختلافات بڑھانے پر زور دیا گیا تھا تاکہ وہ مل کر ایک متحدہ عوامی طاقت نہ بن سکیں۔ چنانچہ ہسپانوی 'میستیز و' چینی میستیز و چینی اور فلپائنی سب میں نسلی امتیاز کو ہوا دی گئی۔ اس پالیسی کی وجہ سے 'میستیز و' کچھ عرصے تک اپنی قوم سے علیحدہ رہے۔ لیکن بعد میں بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ قومی دھارے کا حصہ بن گئے اور ہسپانوی سامراجیوں کی کوشش ناکام ہوگئی۔

ہسپانوی افسر اور پادری بحرالکاہل کی تجارت میں مصروف تھے۔ اس لئے انیسویں صدی کے وسط تک جزائر کی اندرونی تجارت چینی اور فلپائنی تاجروں کے ہاتھ میں رہی۔ اس علاقائی تجارت سے منافع کما کر ایک نیا امیر طبقہ پیدا ہوا۔ یہ طبقہ اٹھارہویں صدی میں تشکیل پا چکا تھا۔ اس طبقے کی نئی نسل نے اس تجارت کو اور ترقی دی۔ انیسویں صدی میں اس طبقے نے بھی ہسپانوی افسروں اور پادریوں کی طرح بڑی زمینداریاں حاصل کیں۔ انہوں اس کاروبار میں سرمایہ لگا کر زبردست منافع کمایا اور اسی وجہ سے وہ فلپائنی عوام سے بہت دور ہو گئے۔

کسانوں کی انقلابی تحریکیں: فلپائن پر ہسپانوی سامراجی تسلط کے بعد کسانوں کے سماج کا صدیوں پرانا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ اب وہ آزاد کسان نہیں تھے۔ بلکہ نیم غلام بے زمین زرعی مزدور تھے۔ وہ کیتھولک پادریوں کے بڑے بڑے فارمز پر کام کرنے پر مجبور تھے۔ جہاں ان زرعی مزدوروں کو اپنی محنت کا بہت کم معاوضہ ادا کیا جاتا تھا۔ بھوک، تنگ دستی اور سے ستائے ہوئے کسانوں کے پاس بغاوت کے علاوہ جینے کا کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ ہسپانوی سامراجی تسلط کے ابتدائی 300 سالوں میں ان بہادر کسانوں نے بے شمار اور نسلی امتیاز کی پالیسی کے خلاف تھیں۔ فلپائنی عوام کی کئی انقلابی تحریکیں بہت مشہور ہیں۔

1- بوحول کی بغاوت: 1744 میں 'بوحول' کے فلپائنی کسانوں نے کیتھولک پادریوں کے ظلم وستم کے خلاف احتجاج وانقلاب کا پرچم بلند کیا۔ ایک کیتھولک فلپائنی سپاہی ایک مذہبی رسم کی ادائیگی کے بنا مر گیا۔ بوحول کے ہسپانوی پادری نے اسے دفنانے سے انکار کر دیا۔ پادری کی اس نامناسب حرکت کی وجہ سے ہسپانوی ظلم سے ستائے ہوئے کسانوں میں سخت اشتعال پھیل گیا۔ اس سپاہی کا بڑا بھائی ''فرانسیسکو داگاحوئے'' اپنے گاوں کا داتو یعنی سردار تھا اور اپنے علاقے میں بڑا با اثر تھا۔ اس کے گاوں کی زمین پادریوں نے زبردستی چھین لی تھی۔ ہسپانوی فوج اور پادری مل کر غریب فلپائنی کسانوں کا استحصال کر رہے تھے۔ ان کے ظلم کی وجہ سے کسانوں نے پادریوں کو ہلاک کر کے ان سے اپنی زمین چھین لی۔ دوسرے دیہاتوں کے ہزاروں کسان بھی بوحول کی انقلابی تحریک میں شامل ہو گئے۔ کسان اس حقیقت سے اچھی طرح آگاہ تھے کہ ان کا اصل دشمن کون ہے۔ کسان اس تحریک میں شامل ہوتے رہے۔ فلپائن میں کسانوں کی یہ انقلابی تحریک 86 سال تک جاری رہی۔ اس کو کچلنا غیر ملکی ہسپانوی فوج کے لئے آسان نہیں تھا، کیونکہ فلپائنی عوام اس کے ساتھ تھے۔ ''فرانسیسکو داگاحوئے'' نے ایک آزاد فلپائنی حکومت قائم کر لی تھی۔ یہ آزاد حکومت اس کے مرنے کے بعد بھی 1829 تک کئی علاقوں میں قائم رہی۔ اس دور میں غیر ملکی طاقتور ہسپانوی سامراجیوں کے خلاف غریب کسانوں کی اس انقلابی تحریک کا 86 سا تک جاری رہنا اس بات کا ثبوت تھا کہ فلپائنی غیر ملکی تسلط سے بے زار ہو چکے تھے اور ان کسانوں میں بھی اس جدوجہد کو جاری رکھنے اور انقلاب کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کا حوصلہ تھا۔

2- 1760 کی بغاوتیں: 1760 میں ''پانگاسی نان'' اور ''الوکوس'' کے علاقے میں کسانوں نے بغاوت کر دی۔ پانگاسی نان کی بغاوت کی رہنمائی 'جوان۔ دی

۔لاکروز پولارس' نے کی۔لوکوس کی بغاوت کی قیادت 'دما کوسی لانگ'' نیکی۔ہسپا نوی سامراجی یہ پروپیگنڈا کیا کرتے تھے کہ اسپین ناقابل شکست ہے۔لیکن منیلا پر برطانیہ کے قبضے نے کسانوں کو یہ بتادیا کہ اسپین کو بھی شکست دی جاسکتی ہے۔اس کے بعد بے شمار چھوٹی چھوٹی بغاوتیں ہوئیں۔ان بغاوتوں میں پیش کئے جانے والے مطالبات کی نوعیت سیاسی تھی۔انہوں نے ہسپانوی گورنروں کی برطرفی کا مطالبہ کیا اور اہم انتظامی عہدوں پر فلپائنی افسروں کی تقرری کا مطالبہ کیا۔'سی لانگ' اور'پورلاس' دونوں نے آزاد حکومتیں قائم کرلی تھیں۔آخر کار دونوں رہنما گرفتار کر کے قتل کردیے گئے۔سیلانگ کے مارے جانے کے بعد اس کی بہادر بیوی''کبریلا''اس کے ساتھیوں کے ساتھ مل کر کئی مہینوں تک ہسپانوی فوج کا مقابلہ کرتی رہی۔کسانوں کی یہ انقلابی تحریکیں چند مخصوص علاقوں میں پھیلیں۔لیکن اس لحاظ سے یہ تحریکیں بڑی اہمیت کی حامل ہیں کہ ان تحریکوں نے عوام کو سیاسی شعور دیا اور قومی آزادی کی جدوجہد کے لئے راستہ ہموار کیا۔

ہسپانوی اور فلپائنی کیتھولک پادریوں کے درمیان کشمکش:

فلپائن کے نئے امیر طبقے کے نوجوان چرچ کے قائم کردہ اسکولوں اور منیلا اور میڈرڈ کے کالجوں میں تعلیم حاصل کررہے تھے۔لیکن فلپائن میں سرکاری ملازمت کے دروازے ان پر دوسو سال تک بندرہے۔فلپائن کا امیر طبقہ اسپین کے سامراجی تسلط کی پرزور حمایت کرتا تھا۔لیکن اسپین کی امتیازی پالیسی کی وجہ سے اس طبقے میں بڑی ناراضگی پائی جاتی تھی۔اسی زمانے میں فلپائن کے کیتھولک چرچ میں پادریو ں کی شدید کمی ہوگئی۔اس کمی کو مقامی فلپائنی پادریوں سے پورا کیا گیا ۔1720 میں فلپائنی پادری چرچ کی ملازمت میں لیا گیا۔1750 تک جزائر فلپا ئن کے 569 پادریوں میں سے 142 فلپائنی پادری تھے۔یہ پالیسی کچھ عرصے تک جاری رہی۔لیکن جنوبی امریکہ کے انقلاب نے 1820 ہسپانوی سلطنت کو ختم کردیا۔جنوبی امریکہ کے قوم پرست انقلاب میں میکسیکو کے پادریوں نے بڑا اہم رول ادا کیا تھا۔اس لئے ہسپانوی چرچ کا خیال تھا کہ فلپائن کے پادری بھی عوام کو بغاوت پر اکسا سکتے ہیں۔1826 میں اسپین کی ایک کورٹ نے حکم دیا کہ سب فلپائنی پادریوں کی جگہ ہسپانوی پادری مقرر کیے جائیں۔اس حکم پر سست رفتا ری سے عمل ہورہا تھا۔اس حکم پر تیزی سے عمل کروانے کے لئے 1859 میں جیسو ٹ مشنریوں کا ایک گروپ فلپائن آیا۔بیشتر فلپائنی پادری خاص طور سے لوزون کے علاقے میں چرچ کی ملازمت سے نکال دیے گئے۔ہسپانوی چرچ کی اس پالیسی کے باعث ملک میں پہلی قوم پرست جدوجہد شروع ہوئی۔ان پادریوں کی برطرفی سے فلپائن اور اسپین کے درمیان سخت سیاسی اختلاف کی ابتداء ہوئی۔اس فیصلے سے فلپائن ک امیر طبقہ بہت ناراض تھا کیونکہ بیشتر پادریوں کا تعلق اسی طبقے سے تھا۔

اسپین میں چرچ اپنے فیصلے کے حق میں ایک پروپیگنڈا مہم چلارہا تھا۔میڈرڈ کے اخبارات میں فلپائنی پادریوں کو غدار، جاہل اور کم ترنسل، کے افراد قرار دیا جارہا تھا۔'فادر برگوس'اس وقت 27 سال کا تھا۔اس کا باپ نوآبادیاتی ملیشیا کا ایک جونیئر ہسپانوی افسر تھا اور اس کی ماں ایک ہسپانوی میستیزو تھی۔اس چرچ کے اسکول اور پھر منیلا کی 'سانتو توماس' یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کی تھی۔اس نے ان مخالفانہ مضامین کا جواب دیا اور ہسپانوی کیتھولک مشنریوں پر طاقت اور مالی وسائل کے غلط استعمال کا الزام لگایا۔لیکن ساتھ ہی ان مضامین میں اس نے اسپین سے وفاداری اور محبت کا اظہار بھی کیا۔کیونکہ سامراجی علمی اداروں کے تعلیم یافتہ بیشتر افرا د سامراجی کلچر کی عظمت سے ہمیشہ مرعوب رہتے ہیں۔فادر''برگوس'' نے منیلا کے گرد پھیلے ہوئے ہسپانوی پادریوں کے وسیع فارمز کو ضبط کرنے کا مطالبہ کیا۔تاکہ طاقت و دولت کے غلط استعمال کو روکا جاسکے۔اس کے ان خیالات کی وجہ سے فلپائن کا ہسپانوی چرچ اس سے بے حد ناراض تھا۔اسپین میں ستمبر 1868 میں ایک انقلاب کے ذریعے رجعت پسند ملکہ ازابیلا کی حکومت ختم کردی گئی۔نئی سرکار نے ایک لبرل گورنر جنرل کو منیلا بھیجا۔وہ منیلا میں اصلاح پسندوں کی حمایت کرنے لگا، جو زیادہ تر ہسپانوی میستیزو تھے۔کچھ سالوں تک ان اصلاح پسندوں کی تحریک جاری رہی۔

منیلا کی یونیورسٹی کے قانون کے طالب علموں نے جو زیادہ تر چینی میشتیزو تھے،فلپائن میں مزید اصلاحات کا مطالبہ کیا۔انہوں نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے ایک تحریک شروع کی۔ان طالب علموں میں مستقبل کے قوم پرست شہید''جوز ریزال'' کا بڑا بھائی''پاسیانو ریزال'' بھی شامل تھا۔1869 میں طالب علموں کی اس تحریک کو ختم کرنے کے لئے سرکار نے سخت کاروائی کی۔طالب علموں کو گرفتار کر کے جیلوں میں ڈال دیا گیا۔حالانکہ نیا گورنر جنرل اور اس کا جانشین لبرل تھے اور انہوں نے اسپین میں بادشاہت کے خلاف جدوجہد کی تھی۔لیکن فلپائن میں انہوں

نے رجعت پسند ہسپانوی افسروں اور پاریوں کا ساتھ دیا، تا کہ فلپائن پر اسپین کا تسلط قائم رہے۔

1871 میں اسپین میں دوبارہ بادشاہت بحال ہوگئی۔ فلپائن میں اصلاح مخالف ہسپانوی افسروں اور پادریوں کو مزید طاقت حاصل ہوگئی۔ جنوری 1872 میں منیلا کے جنوب میں 'کاویت' کی بیرکوں میں تعینات 200 فلپائنی فوجیوں نے بغاوت کردی۔ یہ کوئی منظّم قوم پرست تحریک نہیں تھی۔ بلکہ فوجی سپاہی اپنے ذاتی مسائل مثلاً تنخواہ کی عدم ادائیگی وغیرہ کے خلاف احتجاج کررہے تھے۔ لیکن اس بغاوت کو چوبیس گھنٹے کے اندر بڑی بے رحمی سے کچل دیا گیا۔ 41 فوجیوں کو ہلاک کردیا گیا اور بہت سے عام شہری بھی گرفتار کئے گئے۔

فادر برگوس کو پھانسی: اس واقع کے بعد فلپائنی پادریوں پر فوجیوں کو اسپین کے خلاف بغاوت پر اکسانے کا الزام لگایا گیا۔ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر ہسپانوی پادریوں اور افسروں نے اصلاحی تحریک کو ختم کرنے کی پوری کوشش کی۔ وسیع پیمانے پر گرفتاریاں ہوئیں۔ فادر برگوس اور دو دوسرے پادریوں پر خفیہ مقدمہ چلایا گیا، جس کی کاروائی کبھی ظاہر نہیں کی گئی۔ فادر برگوس اور دوسرے فلپائنی پادریوں کو 17 فروری 1872 میں 'گاروٹ' کے ذریعے منیلا کے ایک پبلک پارک میں پھانسی کی سزادے دی گئی۔ 'گاروٹ' بھی عظیم ہسپانوی کلچر کی بھیانک نشانی تھا۔ گاروٹ دھیما اور نہایت تکلیف دہ طریقہ قتل ہے۔ ایک لوہے کی کیل ایک خاص طریقے سے جسم میں گھمائی جاتی ہے اور وہ آہستہ آہستہ ریڑھ کی ہڈی کو گردن پر توڑتی ہے۔ ان تینوں پر الزام لگایا گیا تھا کہ وہ جزائر فلپائن کو مادر وطن اسپین سے الگ کرنا چاہتے تھے۔ نو فلپائنی پادریوں اور تیرہ عام فلپائنی شہریوں کو ''ماریانا'' کے جزیرے میں ایک سال کے لئے جلاوطن کردیا گیا۔ سامراجی ملک مذہب کو بھی دوسری قوم کو محکوم بنانے کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ ظالم و مظلوم، حاکم و محکوم صرف مذہب کے رشتے سے ایک نہیں ہوجاتے۔ اگر ایسا ہوتا تو دنیا کی تاریخ کچھ اور ہوتی۔

تجارت و زراعت: فلپائن میں مقیم ہسپانوی ابتدا سے بحرالکاہل کی تجارت میں مصروف تھے۔ میکسیکو کی چاندی کے عوض چین سے ریشمی کپڑے اور چینی کے برتن وغیرہ خریدے جاتے تھے۔ اس تجارے میں سب سے بڑا حصہ کیتھولک چرچ کا تھا۔ 1820 میں بحرالکاہل کی تجارت کے خاتمے کے بعد فلپائن میں تجارت کی نوعیت میں بنیادی تبدیلی ہوئی۔ فلپائن بڑے پیمانے پر زرعی پیداوار ایکسپورٹ کرنے لگا۔ امریکہ کے کئی بڑے تجارتی اداروں نے منیلا میں دفاتر قائم کیے۔ 1837 میں منیلا اور 1855 تک سارے فلپائن کی بندرگاہوں سے غیر ملکی تجارت ہونے لگی۔ تجارت کے اس نئے دور میں بھی ہسپانوی چرچ نے اپنی بالادستی قائم رکھی۔ وہ ڈچ اور برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنیوں کی طرح اپنا سارا منافع اسپین نہیں بھیجتے تھے۔ بلکہ اس رقم کو منیلا میں ہی رکھتے تھے۔ ابتدا میں اس رقم کو فلپائن اور دوسرے مشرقی ایشیائی ممالک میں مشنری سرگرمیوں کو وسعت دینے پر خرچ کیا جاتا تھا۔ لیکن جلد ہی یہ مذہبی جوش و خروش سرد پڑ گیا۔ جب بحرالکاہل کی تجارت ختم ہوئی تو کیتھولک چرچ کے پاس فلپائن میں اتنی بڑی رقم تھی کہ اس نے بینک آف آئلینڈز کے آدھے شیئرز خرید لئے تھے۔ بینک آف فلپائن آئلینڈز 1851 میں قائم ہوا تھا۔ یہ ایشیا میں قائم ہونے والا پہلا جدید بینک تھا۔

تجارت کی دنیا میں اس نئی تبدیلی سے چینی میسٹیز و کو بہت فائدہ پہنچا۔ 1840 میں چینی تاجر پھر فلپائن واپس آگئے تھے۔ ان کے تجارتی مقابلے سے پریشان ہوکر چینی میسٹیز و بڑے شہروں سے چھوٹے شہروں کی طرف منتقل ہوگئے۔ انہوں نے وہاں زرعی زمین بھی خرید لی اور رفتہ رفتہ مقامی امیر فلپائنی طبقے کا جزو بن گئے۔ ہسپانوی سامراجی راج نے فلپائن کے آزاد کسانوں کو نیم زرعی مزدور بنا دیا تھا۔ اس نے اسپین کا فابرانہ زمین داری نظام جزائر میں نافذ کیا تھا۔ 1870 سے ایکسپورٹ کرنے کے لئے گنے کی فصل اس قدر زیادہ بوئی جانے لگی کہ ملک میں چاول کی شدید قلت ہوگئی اور فلپائن کو چاول امپورٹ کرنا پڑا۔ اب ملک میں زرعی پیداوار عوام کی ضرورت پوری کرنے کے لئے کاشت نہیں کی جاتی تھی۔ بلکہ صرف ان فصلوں کی کاشت کی جاتی تھی جو اچھے داموں ایکسپورٹ کی جاسکتی تھیں۔ اس تجارتی پالیسی کا سب سے زیادہ نقصان عام کسانوں کو ہوا۔ وہ فاقہ کشی اور غربت کا شکار ہونے لگے۔ اس کے نتیجے میں ساری سماجی برائیاں جڑ پکڑنے لگیں جو غربت کی گود میں جنم لیتی ہیں۔ ملک میں غیر ملکی سامان خصوصاً کپڑے کی آمد سے شمال مغربی لوزون جزیرہ پانائے اور مغربی وسایاس میں ہزاروں کپڑا بننے والے کاریگر بے روزگار ہوگئے۔ ان میں ہزاروں عورتیں بھی شامل تھیں جو کپڑا بننے کی دیسی صنعت سے وابستہ تھیں۔ اگر غریب کسان کسی علاقے کی زمین کو صاف کرکے قابل کاشت بناتے تھے تو امیر زمین دار اپنا اثر و رسوخ اور قانونی صلاحیت استعمال کرکے اس زمین کو قانوناً اپنے نام کروالیتے تھے۔ اس سلسلے میں سب ناجائز حربے

استعمال کیے جاتے تھے.....رشوت، چھوٹے حلف، کسانوں پر جھوٹا زرعی قرضہ زبر دست سود کے ساتھ کھانا، کسانوں کو ڈرانے کے لئے مسلح غنڈے...غریب کسان بے دخل ہو کر پھر زرعی مزدور بن جاتا تھا۔اس استحصال کے شکار کسان بڑے زمینداروں سے شدید نفرت کرتے تھے.....اور ہر بغاوت کا ساتھ دینے کے لئے تیار رہتے تھے۔

ہسپانوی اور فلپائنی بڑے زمینداروں کے استحصال کے شکار کسان جب بھوک اور قرض کی آخری حدوں کو چھونے لگتے تھے۔تو اس قرض کیعوض اپنے چھوٹے بچوں کو بڑے زمینداروں اور پادریوں کے حوالے کر دیتے تھے۔یہ بچے ایشیا کے نئے غلام تھے۔یہ سال ہا سال بلا معاوضہ، ہر کام انجام دیتے تھے... ہاں یہ بھی ہوتا تھا کہ کچھ ملازمت دلانے والی منیلا کی ایجنسیاں 8 سے 10 سال کے بچوں کو ایک مقررہ معاوضے کے عوض خرید لیتی تھیں اور جب تک کوئی مالک نہیں ملتا تھا، وہ ان بچوں کے اخراجات برداشت کرتی تھیں۔نیا مالک ایک مقررہ رقم ادا کر کے بچہ حاصل کرتا تھا۔پھر وہ بقیہ رقم ماہانہ قسطوں میں ادا کرتا تھا۔اسے بچوں کا قرض کہا جاتا تھا۔جب تک پوری رقم ادا نہیں ہو جاتی تھی۔اس وقت تک بچے کو کچھ بھی معاوضہ ادا نہیں کیا جاتا تھا۔وہ بچہ سخت محنت کرتا تھا لیکن نہ اسے پیٹ بھر کر کھانا ملتا تھا، نہ منا سب کپڑے اور نہ تعلیم۔یہی وہ حالات تھے جن کی وجہ سے کسانوں نے سرکاری اور زمینداری ظلم وستم کیخلاف سینکڑوں بغاوتیں کیں۔انہوں نے ہمیشہ اس بے رحما نہ نظام کے خلاف مسلح جدوجہد کی تھی۔کسانوں نے صدیوں تک اپنی ان انقلابی روایات کو زندہ رکھا۔

طالب علموں کی قوم پرست تحریک: فلپائن کئی دہائیوں سے کیش فصلیں ایکسپورٹ کر رہا تھا۔جس سے فلپائنی بڑے زمین داروں اور تاجروں کی دولت میں تیزی سے اضافہ ہوا تھا۔چینی میسٹیز واور ہسپانوی امیر طبقے کی پیروی کرتے ہوئے منیلا اور میڈرڈ میں تعلیم حاصل کرنے لگے۔گو کہ امیر طبقے کے یہ افراد الگ الگ نسلوں سے تعلق رکھتے تھے، لیکن ان دونوں نے کیتھولک مذہب زبان اور ادب کو اپنا لیا تھا۔وہ سامراجی اسپین کے نسلی امتیاز سے بہ خوبی آگاہ تھے، جس نے انہیں ایک دوسرے سے قریب کر دیا تھا۔امیر طبقہ اپنے آپ کو فلپائنی سماج کو لیڈر تصور کرتا تھا۔لیکن اس کے پاس صرف دولت تھی اور وہ سیاسی طاقت سے محروم تھا۔اس امیر طبقے کو ایک قوم پرست تحریک کی ضرورت شدت سے محسوس ہو رہی تھی۔یورپ جانے والے نوجوان طالب علم قوم پرستی کے نئے تصورات لئے وطن واپس آ رہے تھے۔1880 کی دہائی میں اس امیر طبقے کے طالب علموں نے میڈرڈ میں ایک ''پروپیگنڈا تحریک'' قائم کی۔جس کا مقصد فلپائن میں اصلاحات کے لئے جدوجہد کرنا تھا۔یہ طالب علم مینی فیسٹو اخبار، مضامین اور ناول وغیرہ کے ذریعے فلپائن میں ہسپانوی مظالم کیخلاف لکھا کرتے تھے۔لیکن 1864 کی فادر برگوس کی اصلاحی تحریک کی طرح یہ پروپیگنڈا تحریک بھی صرف اصلاحات کا مطالبہ کرتی تھی۔ان کا مقصد فلپائن کی آزادی اور خودمختاری کے لئے جدجہد کرنا نہیں تھا۔ان طلبہ کی ہسپانوی تعلیمی اداروں میں تربیت ہوئی تھی۔وہ اسپین کی زبان، ادب، مذہب اور کلچر سے مرعوب تھے۔

اس پروپیگنڈا تحریک میں سب سے بااثر 'جوزریزال' تھا۔اس کا تعلق زراعت سے وابستہ ایک چینی میسٹیز وخاندان سے تھا۔جوزریزال بچپن سے ہی فادر برگوس اور اس کے دوساتھیوں کی اذیت ناک موت سے بے حد متاثر ہوا تھا۔اس کا بڑا بھائی پاسیانو 'سانتو توماس' یونیورسٹی میں فادر برگوس کا شاگرد تھا۔جوزریزال نے یونیورسٹی آف میڈرڈ سے میڈیکل کی تعلیم مکمل کی۔وہ دوسرے فلپائنی طالب علموں کے ساتھ مل کر پمفلیٹ اور اخباری مضامین لکھا کرتا تھا۔جس میں اسپین کی فلپائنی پالیسی کو سخت تنقید کا نشانہ بنایا جاتا تھا۔اور فلپائن میں اصلاحات کا مطالبہ کیا جاتا تھا۔اس کے مشہور ناول ''نولی۔می۔تانگیرے'' میں وسطی لوزون کیایک میونسپلیٹی میں ایک ہسپانوی پادری کی پھیلائی ہوئی برائیاں بیان کی گئی تھیں۔لیکن جوزریزال اور اس کی پارٹی کے کسی بی ساتھی نے اسپین کے تسلط سے آزادی کا مطالبہ نہیں کیا۔اس دور کے امیر طبقے کی قوم پرست تحریک صرف اصلاحات کے مطالبے تک محدود تھی۔ریزال نے میڈرڈ میں قیام کے دوران 'اینٹونیو۔دی۔مورگو' کی 1609 میں ہسپانوی زبان میں لکھی گئی کتاب کا ترجمہ کیا تھا۔اس کتاب کے بارے میں بہت کم لوگ جانتے تھے۔اس کتاب میں فلپائن کی قدیم تاریخ بیان کی گئی تھی۔اس کتاب کے مصنف نے پادریوں کے اس پروپیگنڈے کی تردید کی تھی کہ اسپین نے ان جزائر کو پہلی بار منظم کیا، وہاں تہذیب پھیلائی اور فلپائنوں کو ایک مشترکہ وراثت کا تصور دیا۔

جوزریزال 1892 میں منیلا واپس آیا۔وہ اس کے ساتھی اصلاحات کا مطالبہ کرنے لگے۔انہوں نے ایک تنظیم ''لا۔لیگا۔فلیپینا'' قائم کی۔یہ تنظیم صرف اصلا

حات کا مطالبہ کر رہی تھی۔لیکن اس تنظیم کے قیام کے چار دن بعد ہی ہسپانوی گورنر جنرل نے جوزریزال کو شمالی میندانا ؤ کے ایک چھوٹے سے شہر میں جلاوطن کر دیا۔

مزدوروں کی انقلابی تنظیم:

جوزریزال کی گرفتاری کے چند ہی گھنٹوں کے بعد'' آندرے۔بونی فاسیوؔ'اوراس کے ساتھیوں نے جولائی 1892 میں ایک خفیہ تنظیم'' کاتی پونان'' قائم کی۔اس کا مقصد انقلابی جدوجہد کے ذریعے آزادی حاصل کرنا تھا۔منیلا کے مزدور طبقے کے نوجوان'' آندرے۔بونی فاسیوؔ'اوراس کے مزدور ساتھیوں نے منیلا اور میڈرڈ کے تعلیم یافتہ امیر طبقے کے نوجوانوں کی اصلاحی تحریکوں کا رخ بدل دیا۔کیونکہ مزدوروں کو اس بات کا احساس تھا کہ صرف اصلاحات فلپائن کے غریبوں،مزدوروں اور کسانوں کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں کرسکتیں۔ہسپانوی سامراجیوں اوران کے قائم کردہ زمین داری نظام کے خلاف فلپائن کے کسان صدیوں سے بغاوت کررہے تھے۔اب شہر کے مزدوروں نے بھی فلپائن کیآزادی اور خودمختاری کے لئے انقلابی جدوجہد کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔یہ فلپائن کی سیاست میں بنیادی تبدیلی تھی۔عوام نے غیر ملکیوں کے تسلط سے وطن کی آزادی کی طویل جدوجہد کی ابتداء کی۔آندرے۔بونی فاسیواوراس کے ساتھیوں کا تعلق منیلا کی ایک غریب مزدور بستی'تون۔دوٗ'سے تھا۔بونی فاسیو ملائے فلپائنی تھا۔اس کی تعلیم تو معمولی تھی،لیکن اس کا مطالعہ بڑا وسیع تھا۔''تون۔دوٗ'' کی غریب بستی میں لوگ اس کی بڑی عزت کرتے تھے۔ان کی تنظیم'' کانی پونان'' آہستہ آہستہ منظم ہوتی رہی۔'' کانی پونان'' ایک طویل فلپائنی نام کا مختصر لفظ ہے اس نام کے معنی ہیں۔''عوام کے بیٹوں کی سب سے قابل عزت اور قابل قدر سوسائٹی''۔اس تنظیم کے عام لوگوں کوآزادی حاصل کرنے کے لئے ایک نیا راستہ دکھایا۔بادشاہ سب سے بڑا آدمی نہیں ہے،نہ وہ بڑا ہے جس کی اونچی ناک ہے،نہ وہ جس کی سفید چمڑی ہے،نہ وہ پادری بڑا ہے جو خدا کی نمائندگی کرتا ہے۔بلکہ قابل احترام وہ شخص ہے جو جنگل میں پیدا ہوا ہے جو سوائے اپنی مادری زبان کے کسی دوسری زبان سے واقف نہیں ہے...یہی وہ شخص ہے جو محبِّ وطن ہے۔جو یہ جانتا ہے کہ اپنے ملک کی حفاظت کیسے کیجائے۔جب ملک میں آزادی کی روشنی پھیلے گی اور ہم سب بھائیوں کی طرح متحد ہوجائیں گے۔تب ماضی کے دکھوں کا مداوا ہوگا۔

1896 تک' کاتی پونان' کے ممبروں کی تعداد 300 ہوچکی تھی۔انہوں نے ایک چھوٹا سا پرنٹنگ پریس بھی حاصل کرلیا تھا۔وہ مزدور طبقے کے ایک ملائے فلپائنی محبّ وطن شاعر''ایمیلیو جاسینٹوٗ' کی پرجوش نظمیں اور مضامین شائع کرنے لگے۔ایمیلیو مزدور طبقے کا نہایت ذہین اور باصلاحیت نوجوان تھا۔وہ عوامی زبان 'تاگالوگ' میں لکھتا تھا۔ان کی پارٹی 'تاگالوگ' زبان کا ایک رسالہ' کالا یان'(آزادی)منیلا میں خفیہ طور سے تقسیم کرنے لگی۔اس سے کاتی پونان پارٹی کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس کے ممبروں کی تعداد چند مہینوں میں 30,000 ہوگئی۔ابتداء میں اس کے ممبر مزدور طبقے اور غریب دانشور طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔لیکن بعد میں اس پارٹی میں منیلا کے قرب و جوار کے خوشحال زمین دار بھی شامل ہوگئے جن کا خیال تھا کہ ہسپانوی راج کے خاتمے سے ان کے طبقے کو بہت فائدہ پہنچے گا۔

1896 کا انقلاب: آندرے بونی فاسیو اوراس کے ساتھی فلپائن کی سیاسی جدوجہد میں اس لحاظ سے بڑی اہمیت کے حامل ہیں کہ انہوں نے قوم پرست تحریک کو اصلاحات کی سیاست کی گہری دلدل سے نکالا اور ایک انقلابی جدوجہد کے راستے پر گامزن کیا۔ان کی انقلابی جدوجہد ایشیا میں خصوصی اہمیت کی حامل ہے۔کیونکہ اس دور میں ایشیا کے محکوم ملکوں کی تحریک آزادی میں انقلابی جوش وولولہ پیدا نہیں ہوا تھا۔نہ ابھی چین میں ڈاکٹر سن یات سین کا 1911 کا انقلاب برپا ہوا تھا۔ہندوستان میں امیر طبقے کے لیڈر برطانوی حاکم کی خدمت میں درخواستیں پیش کرنے میں مصروف تھے۔ابھی روس کے مزدوروں کا سوشلسٹ انقلاب بہت دور تھا۔اس لئے یہ تسلیم کرنا چاہیے کہ آزادی کی انقلابی جدوجہد میں وہ ایشیا میں سب سے آگے تھے۔آندرے بونی فاسیو اوراس کے ساتھی غریب مزدور طبقے سے تعلق رکھتے تھے۔غریب طبقے کے وسائل بڑے محدود ہوتے ہیں۔اس لئے ان کی تحریک کو نہایت کٹھن مراحل سے گزرنا پڑتا ہے۔اس کے برعکس امیر طبقے کے قوم پرست خود سماج کے وسائل پر قابض ہوتے ہیں،جنہیں وہ اپنی سیاسی یا مذہبی تحریک کے لئے استعمال کرتے ہیں۔وہ ہتھیار بھی آسانی سے حاصل کرسکتے ہیں اور پھر تحریک کی ناکامی کی صورت میں آسانی سے فرار بھی ہوجاتے ہیں۔

'' کاتی پونان'' تحریک نے جون 1896 میں مسلح جدوجہد کے لئے ہتھیار جمع کرنے شروع کردیے۔ان کی تحریک میں حال ہی میں بڑی تعداد میں نئے ممبر شامل ہوئے تھے۔19 اگست کو ان کی پارٹی کے ایک ممبر نے اعتراف(پادری کے

سامنے اعتراف گناہ) کے دوران ایک ہسپانوی پادری کو اس تحریک کی انقلابی سرگرمیوں کے بارے میں بتا دیا۔اس کا علم ہوتے ہی ہسپانوی فوج نیتیزی سے ''تون۔دو'' کی مزدور بستی کو گھیر لیا اور زبردست توڑ پھوڑ کر کے پارٹی کیکارکنوں کو تلاش کرنا شروع کیا۔بونی۔فاسیو اور اس کے کئی ساتھی منیلا سے فرار ہو گئے۔ان کے پاس پرانے معمولی ہتھیار تھے۔اس ے باوجود انہوں نے ہسپانوی سرکار کے خلاف مسلح جدوجہد کرنے کا فیصلہ کیا۔لوزون کے کئی علاقوں میں جنگ شروع ہوگئی ۔لوزون کے ایک زمین دار''ایمیلیو اگو ینالڈو'' نے اس لڑائی میں اچھی جنگی صلا حیت کا مظاہرہ کیا۔وہ چینی میسٹیز وتھا۔اس نے اور اس کے ساتھیوں نے نومبر 1896 تک اپنے علاقے میں کئی بار سرکاری فوجوں کو شکست دی۔

جوزریزال: ہسپانوی سرکار نے اپنی بار بار کی شکست سے چڑ کر ایک سخت قدم اٹھایا جس کا فلپائن کی تاریخ پر گہرا اثر پڑا۔جوزریزال پر ایک سرسری خفیہ مقدمہ چلایا گیا اور اسے غداری کے الزام میں موت کی سزا سنائی گئی۔دسمبر 1896 کو ہزاروں فلپا ئنیوں کے سامنے''جوزریزال'' کو غیر ملکی ہسپانوی فوجیوں نے گولی سے اڑا دیا ۔جوزریزال نے بڑی بہادری سے موت کا مقابلہ کیا۔اپنی زندگی کی آخری شام جو زریزال نے وطن کی محبت میں ڈوبی ہوئی ایک طویل نظم''ال تیموس ادیوس''لکھی تھی۔اس نظم کو جیل کی کوٹھری سے باہر پہنچا دیا گیا تھا۔یہ نظم ہمیشہ فلپائن کے لوگوں کے دلوں میں آزادی اور انقلاب کا جذبہ پیدا کرتی رہی۔ہسپانوی پادریوں اور افسروں کی سازش سے جوزریزال کو قتل کر دیا گیا۔لیکن انقلابیوں کی تحریک آزادی جاری رہی۔1897 کے وسط تک اگو ینالڈو ہسپانوی فوجوں کو شکست دیتا رہا ۔اس جنگ میں وہ سب سے کامیاب اور طاقتور باغی لیڈر بن کر ابھرا۔اس نے کا تی پونان کی لیڈرشپ پر قبضہ کرنے کے لئے پارٹی لیڈر آندرے۔بونی فاسیو کو قتل کروادیا۔لیکن جلد ہی اسے بھی ہسپانوی فوج کے مسلسل حملوں سے بچنے کے لئے منیلا کے شمالی پہاڑوں میں پناہ لینی پڑی۔اگو ینالڈو اور ہسپانوی سرکار کے درمیان ایک خفیہ بات چیت ہوئی اس جنگ بند کرنے کے صلے میں ایک بھاری رقم کا مطا لبہ کیا۔جب اسے رقم کی ابتدائی قسط ادا کی گئی،تو وہ ہتھیار ڈال کر اپنے ساتھیوں کے ساتھ 27 دسمبر 1897 کو حانگ کانگ چلا گیا۔اگو ینالڈو کے اس فیصلے نے انقلابی جدوجہد کو بڑا نقصان پہنچایا۔لیکن''کاتی پونان'' تحریک کے دوسرے ممبر وں نے اپنی انقلابی جدوجہد جاری رکھی۔یہ تحریک سارے لوزون اور پھر وسایا کے جزیرے میں پھیل گئی۔لوزون مین کیتھولک پادریوں کی بڑی زمین داریاں تھیں۔اس علاقے کے کسانوں اور خوشحال زمین داروں کو یہ امید تھی کہ ہسپانوی راج ختم ہونانے سے انہیں بہت فائدہ ہوگا۔

فلپائن پر امریکی سامراج کا تسلط:

اس صورت حال میں ایک ڈرامائی تبدیلی ہوئی۔بحرالکاہل کے مشرق سے اسپین اور فلپائن کی اس کشمکش میں ایک نیا کھلاڑی داخل ہوا۔امریکہ کے صنعتی سرمایہ داری نظام کو نئی منڈیوں کی اشد ضرورت تھی۔امریکی سفید فام قوم کے آباواجداد یورپ سے آئے تھے۔وہ ذہنی اور تہذیبی طور پر یورپ سے جڑا ہوا تھا خصوصاً برطانیہ سے ،جس کی زبان انگریزی،امریکہ کی بھی قومی زبان تھی۔اس کے آئیڈیل برطا نیہ،فرانس اور جرمنی تھے اور ان سب ملکوں کی طاقت کا اصل راز نوآبادیات کے وسیع وساہل تھے۔امریکہ کے قریب براعظم ایشیا پر برطانیہ،فرانس،نیدرلینڈ اور اسپین قابض تھے۔ان میں سب سے کمزور اسپین تھا اور خوش قسمتی سے اس کی نوآ بادی فلپائن میں مسلح بغاوت بھی جاری تھی۔امریکہ کے مختلف بااثر طبقے نئی منڈیوں پر تسلط کے حامی تھے۔نیویارک کے چیمبر آف کامرس نے حکومت کے سامنے یہ تجو یز پیش کی تھی کہ فلپائن پر قبضہ کرلیا جائے۔امریکہ کا پروٹسٹینٹ چرچ بھی برسراقتدار سرمایہ دار طبقے کی ضرورت کے پیش نظر فلپائن پر قبضہ کرنے کی حمایت کررہا تھا۔

جب امریکہ میں سرکار نے فلپائن پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کرلیا تو امریکی سجارت کاروں نے ایک طرف اگو ینالڈو سے حانگ کانگ میں اور دوسری جانب اسپین سے خفیہ مذاکرات شروع کر دیے۔انہوں نے اگو ینالڈو کو فلپائن کی آزادی کی جنگ میں امریکہ کی مکمل حمایت کا یقین دلایا۔اس حمایت سے تقویت پا کر اگو ینا لڈو اور اس کے ساتھی امریکہ کے بحری جہاز میں مئی 1898 میں لوزون پہنچے۔انہو ں نے حانگ کانگ میں خریدے گئے نئے ہتھیار اور مقامی انقلابی عناصر کی مدد سے تیزی سے لوزون کے کچھ علاقوں پر قبضہ کرلیا۔پورے فلپائن میں انقلابی جدو جہد جاری تھی۔انہیں یقین تھا کہ عنقریب فلپائن ایک آزاد ملک بن جائے گا ۔12 جون 1898 کو منیلا کے نواح میں ایک سادہ سی تقریب میں اگو ینالڈو کو ڈکٹیٹر اور قوم کا سپریم چیف بنا دیا گیا۔آزاد فلپائن کا جھنڈا لہرا کر نیا قومی ترانہ گایا گیا۔یہ فلپائن کی 'آزادی کی پہلی تقریب' تھی۔اس عرصے مٰں امریکہ اگو ینالڈو کو اپنی حمایت کا یقین دلاتا رہا۔امریکی جنگی جہاز نوزون کے شمال میں موجود تھا۔اگو

ینالڈو کو یہ خوش جہمی تھی کہ وہ جاپانی انقلابیوں کی مدد کرنے کے لئے آیا ہے۔فلپائنی حملوں سے فایدہ اٹھا کر امریکی سفارت کاروں کوروں نے اسپین پر دباو مزید بڑھا یا دیا تھا۔آخر کار مذاکرات کامیاب ہو گئے۔کیتھولک مذہب کے سب سے بڑ چمپین اسپین نے ایک ایشیائی ملک اوراس کے کروڑوں انسانوں عورتوں،مردوں اور بچوں کو،جن میں سب سے نوے فیصدان کے ہم مذہب تھے،ایک دوسرے گو رے نسل پرست امریکہ کے ہاتھ،دو کروڑ ڈالر میں بیچ دیا اور ساتھ ہی اسپین کو آ ئندہ دس سال کے لئے فلپائن میں تجارتی حقوق عطا کر دیے گئے۔

آزادی کا راستہ بڑا کٹھن،بڑا دشوار اور بڑا پیچیدہ ہے۔ایک یورپی سامراجی تقریباً ساڑھے تین سو سال کے استحصال کے بعد بھی رخصت ہوتے ہوئے فلپائن کو ایک دوسرے سوداگر کے ہاتھ بیچ گیا۔ایک غیر ملکی سامراجی کی موت سے پہلے ہی دوسرا غیر ملکی اپنا جنگ بحری بیڑا لئے فلپائن کے ساحل پر کھڑا تھا۔پھر ایک جھوٹی،دکھا وے کی جنگ لڑی گئی۔امریکہ نے منیلا پر اگست 1898 کو صرف دکھاوے کا حملہ کیا۔اسپین کو صرف معمولی مزاحمت کی اجازت دی گئی تھی،تا کہ اس کی بہت زیادہ بے عزتی نہ ہو۔اسپین نے اپنی فوج واپس بلالی اور امریکہ نے بیشتر ملک پر قبضہ کر لیا۔لیکن فلپائن کے بہادر انقلابیوں نے اس کے باوجود کئی سال تک جنگ جاری رکھی۔مارچ 1901 میں امریکی فوجیوں نے اگوینالڈو اور اس کے ساتھیوں کو گر فتار کر کے ہتھیار ڈالنے پر مجبور کر دیا۔کچھ علاقوں میں 1907 تک چھاپہ مار لڑائی جاری رہی۔یہ لڑائی بغیر کسی غیر ملکی،مالی اور ہتھیار،کی مدد کے لڑی جاتی رہی۔فلپا ئن میں آزادی کا سورج طلوع نہ ہوسکا۔ساری امیدیں،آروزئیں اور پر جوش ولو لے امریکی غلامی کی سیاہ رات میں دجن ہو گئے۔ہولو اور مندانا و کے جزیروں میں ار یکی فوج کو سخت مخالفت اور مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا۔بہادر مسلم،مورو،قبائل نے اسپین کے اقتدار کو بھی آسانی سے تسلیم نہیں کیا تھا۔طویل عرصے تک امریکی سامر اجی فوج ان قبائل کے خلاف جارحانہ کاروائی کرتی رہی۔امریکی سامراجی جا رحیت کو جائز قرار دینے کے لئے بہانے ڈھونڈے جانے لگے۔سماجی علوم کو ڈارون کی تھیوری کے نقطہ نظر سے دیکھنے والوں نے یہ پرچار شروع کیا کہ ''اینگلو سیکزن قوم کو خدا نے حکمرانی کا حق دیا ہے۔'' کسی نے فلاپ ئن پر امریکی تسلط کو 'سا مراجیت میں امریکی ابڈونچر' قرار دیا۔روزویلٹ،دیوی اور لاج کے لئے یہ،سب سے اہم فرض تھا۔امریکی صدر میگنلی نے اسے 'گورے آدمی کا تہذیب سکھانے کا مشن.....بلکہ فرض قرار دیا تھا۔

برطانوی سامراجیت کے قصیدہ خوان 'روڈیارڈ کپلنگ' نے فلپائنی عوام کو دو کروڑ میں خریدنے کے سودے پر نہایت خوشی کا اظہار کرتے ہوئے نظم ''دی وہائٹ مینز برڈین'' (گورے آدمی کا بوجھ) لکھی۔یہ نظم اس نے امریکی صدر روز ویلٹ کو بھیجی اور ساتھ ہی ان کے نام ایک خط بھی لکھا۔'' آپ غیر سفید فام ایبرین نسل (اسپین اور پرتگال کا قدیم نام) کا راج ختم کر دیجئے' اور 'فلپائن کی حکمرانی میں لاکر اس 'بوجھ' کو برداشت کیجئے'.....اس کے برعکس فلپائن کے پڑوسی اور ایشیا کے ابھر تے ہوئے سامراجی ملک جاپان نے اس نئے حملے کو 'جاپان کے دل پر نشانہ' قرار دیا۔برطانیہ سامراجی مخالف تاریخ دان 'جے۔اے۔حوبسن' نے اس امریکی تسلط کے بارے میں لکھا تھا۔'امریکہ میں سرمایہ داری نظام کی اچانک تیز رفتار ترقی کے معاشی دباو نے قدرتی طور پر امریکی سامراجیت کو جنم دیا۔1893 کے معاشی بحر ان نے بھی اس کی اہمیت کو واضع کیا۔چونکہ ملک کے اندر مزید تجارت نہیں بڑھ سکتی تھی۔اس لئے اسے اپنے مال کی کھیت اور سرمایہ کاری کے لئے غیر ملکی منڈیوں کی اشد ضرورت تھی۔

جوزریزال اور بونی فاسیو نے فلپائن کے عوام کے دل میں آزادی اور وطن کی محبت کا جو جذبہ بیدار کیا تھا۔اسے امریکی سامراجی کبھی نہ مٹا سکے۔انقلابیوں کی تحریریں اور ان کی جدوجہد کا پیغام دیتی رہیں۔فلپائن کے قوم پرستوں،آزادی سے محبت کر نے والوں،کسانوں اور محنت کشوں نے بونی۔فاسیو اور جوزریزال کے انقلابی مشن کو کبھی فراموش نہ کیا۔لیکن فلپائن کا امیر طبقہ جو پہلے اسپین کا وفادار تھا۔وہ فوراً نئے سامراج کی وفاداری کا دم بھرنے لگا۔انہوں نے ہسپانوی زبان،ادب اور تہذیب کو ترک کیا اور انگریزی زبان اور امریکی کلچر کو اپنا لیا اور تمام امور میں امر یکہ سے مکمل تعاون کرنے لگے۔امریکہ کی مارکیٹ ایکسپورٹ فلپائنی زرعی پیداوار کے لئے کھول دی گئی۔فلپائن سے شکر،ناریل اور تمبا کو امریکہ ایکسپورٹ کیا جانے لگا۔فلپائن کی ساری زرعی پیداوار صرف امریکہ بھیجی جاتی تھی۔اس وجہ سے ملک کی معیشت صرف امریکہ سے وابستہ ہوگئی۔یہ سارا کاروبار فلپائن کے بڑ ے تاجروں کے ہاتھ میں تھا۔اس سے ان کی دولت میں اضافہ ہوتا رہا۔فلپائن میں ایک نیشنل بینک قائم کیا گیا۔فلپائن کا امیر طبقہ اپنی ترقی اور دولت کے لئے امر یکہ کا احسان مند تھا۔

امریکہ کے تسلط کے دوران فلپائن کی معاشی، سماجی اور سیاسی زندگی میں کوئی بڑی تبدیلی نہیں ہوئی۔ نئی معاشی پالیسی کے فوائد غیر ملکی تجارتی کمپنیوں، بڑے تاجروں اور بڑے زمین داروں کو حاصل ہوئے۔ بڑے زمین دار کا استحصال، بڑھتے ہوئے زمین کے کرایے اور بھاری ٹیکس ہسپانوی دور کی طرح ہی کسانوں پر ظلم ڈھاتے رہے۔ غربت اور امارت کا فرق بڑھتا ہی رہا۔ اس کے خلاف غریب کسان احتجاج بھی کرتے تھے اور یہ احتجاج مسلح بغاوت میں بدل جاتا تھا۔ کسانوں اور محنت کشوں نے 1896 کی انقلابی روایات کو زندہ رکھا۔ وہ اس بات کو اچھی طرح سمجھ گئے تھے کہ غیر ملکی سامراج بڑے زمین دار کا سب سے بڑا حامی اور سرپرست ہے۔ اس لئے بدیسی سامراج سے آزادی حاصل کیے بغیر وہ بڑے زمیندار کے ظلم سے بھی نجات حاصل نہیں کر سکتے۔ امریکی تسلط کے دوران پامپانگا، تارلاک اور بالاکان کے صوبوں میں کئی کسان بغاوتیں ہوئیں۔ امریکہ فلپائن سے زیادہ اپنے قریب کے کئی دوسرے علاقوں کو اہمیت دیتا تھا مثلاً.... نہر پانامہ کا علاقہ، کیوبا میں گوانتانامو کے بحری اڈے، جزائر ہوائی میں پرل حاربر اور مغربی بحرالکاہل میں گوام کا جزیرہ۔ جزائر کا امیر طبقہ چاہتا تھا کہ فلپائن بھی امریکہ کی ایک ریاست بنا دیا جائے۔ لیکن امریکہ کے گورے نسل پرست 60 لاکھ سانولے لوگوں کو اپنی قوم کا حصہ بنانے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ 1896 میں شروع ہونے والی عوامی انقلابی تحریک، امریکی مداخلت کے باعث کامیاب نہ ہو سکی۔ قوم پرستوں کی اکثریت امریکی غلامی قبول کرنے کے لئے تیار نہیں تھی۔ انہوں نے ہر ممکن طریقے سے سامراجیت کی مخالفت کی۔ ایک طویل بھیانک غلامی کے بعد فلپائن کے عوام آزادی اور خودمختاری حاصل کرنے کے لئے اتنے بے چین تھے کہ وہ اس مقصد کے حصول کے لئے ہر قربانی دینے کو تیار تھے۔ انہوں نے جوزریزال اور بونی فاسیو کی آزادی کی جدوجہد کو کبھی نہیں بھلایا۔

فیدرلیستا پارٹی: امریکہ کے فلپائن پر قابض ہونے کے بعد ڈاکٹر ''پاردو۔دی۔تا ویرا'' نے جیدرلیستا پارٹی قائم کی۔ یہ پارٹی امریکہ کی پرزور حامی تھی اور اسے مکمل امریکی سرپرستی حاصل تھی۔ 1900 میں ڈاکٹر پاردو ملک بھر کا دورہ کر کے انقلابیوں کو ہتھیار ڈال دینے کی تلقین کرنے لگا۔ اس کا خیال تھا ملک کے ''امریکانائزیشن'' سے فلپائن بہت تیزی سے ترقی کرے گا۔

نیشنلیستا پارٹی: فلپائن میں جب امریکی سامراجیوں کا قوم پرستوں پر تشدد کچھ کم ہوا تو ایک نئی نیشنلیستا پارٹی قائم کی گئی۔ اس پارٹی نے فیدرلیستا پارٹی کے پروگرام کی مخالفت کی۔ اس پاٹی نے اپنے قیام کے ابتدائی دور میں فلپائن کی آزادی کا مطالبہ کیا اور اس مطالبے کی وجہ سے اس پارٹی کو عوام میں بڑی مقبولیت حاصل ہوگئی۔ اس کی مقبولیت کو دیکھ کر امریکی افسروں نے نیشنلیستا پارٹی کی حمایت شروع کر دی۔ حقیقت میں دونوں پارٹیوں میں کوئی خاص فرق نہیں تھا۔ آزادی کی بات صرف عوام کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کی جاتی تھی۔ جولائی 1907 کے لیکشن میں نیشنلیستا پارٹی جیت گئی۔ ووٹروں کی تعداد محدود تھی۔ فقط پڑھے لکھے اور صاحب جائیداد لوگ ووٹ دے سکتے تھے۔ اس پارٹی کے دو مشہور لیڈر 'سرجیو۔اوسمینا' اور 'مینوئل۔کیوزون' تھے۔ جنہیں امریکہ کی سرپرستی حاصل تھی۔ چنانچہ جاپان کے حملے تک یہ نیم غلامانہ سیاسی کھیل جاری رہا۔ یہ دونوں پارٹیاں بڑے زمینداروں اور بڑے تاجر طبقے کے مفادات کی ترجمان تھیں اور نئے سامراجی حاکم کی وفادار تھیں۔ دونوں کسانوں اور مزدوروں کے بنیادی مسائل کو نظرانداز کرتی تھیں۔

1929 کے معاشی بحران کے بعد امریکہ میں زراعت سے وابستہ طبقہ فلپائنی زرعی پیداوار کی امپورٹ کی مخالفت کرنے لگا۔ دوسری جانب امریکہ کا مغربی ساحلی علاقے میں فلپائنی مزدوروں کی مخالفت کی جانے لگی۔ ان مسائل کا امریکی کانگریس نے یہ حل ڈھونڈا کہ فلپائن کو ایک نیم آزاد کامن ویلتھ بنا دیا جائے۔ جسے دس سال میں مکمل آزادی کینے کا وعدہ کیا گیا۔ 1935 میں الیکشن ہوئے اور کیوزون فلپائن کا صدر بن گیا۔ 'آزادی کی دوسری تقریب 15 نومبر 1935 کو اسمبلی کی عمارت کے سامنے ہوئی۔ فلپائن کا جھنڈا امریکی جھنڈے کے برابر لہرایا گیا۔ لیکن فلپائنی کسان اور مزدور بڑے زمین دار طبقے اور امریکی سامراجیوں کے ظلم وستم کو سہتے رہے۔ اسی لئے 1937 میں صدر کیوزون نے کہا''' وہ مرد اور عورتیں جو کھیتوں اور فیکٹریوں میں کام کرتے ہیں۔ ان کی زندگی اسپین کے دور حکومت کے مقابلے میں مشکل سے ہی بہتر ہے..... 35 سال کے امریکی دور حکومت نے اسے مایوسی اور بیزاری ہی دی ہے۔'''

جنرل ڈگلس میکارتھر 1935 میں امریکی فوج کے چیف آف اسٹاف کے عہدے سے ریٹائرڈ ہوا اور صدر کیوزون کا فوجی مشیر بن گیا۔ ایک سال کے اندر ہی کیوزون نے اس سے لئے ایک نیا فیلڈ مارشل کا عہدہ بنایا دیا گیا۔ اس نے کرنل آئزن حاور کے ساتھ مل کر 400,000 فلپائنیوں کی ریزرو فوج بنانے کا ایک پلان بنایا

۔ابھی ان کا یہ پلان ابتدائی مراحل میں ہی تھا کہ 1941 کو جاپان نے فلپائن پر حملہ کر دیا۔

کمیونسٹ پارٹی: اس دور میں محبّ وطن نوجوان، انقلابی مزدور اور کسان سوشلسٹ نظریات سے بڑے متاثر ہوئے تھے۔فلپائن میں کسان بغاوتوں کی ایک طویل تا ریخ تھی۔ بیسویں صدی کی دوسری دہائی سے مزدور ٹریڈ یونین میں منظّم ہونے لگے ۔کسانوں کے درمیان کرایہ داروں اور زرعی مزدوروں کی قومی فیڈریشن کافی عر صے سے کام کر رہی تھی۔ جزائر فلپائن کی کمیونسٹ پارٹی اگست 1930 میں قائم ہو ئی ۔اس کی پہلی کانگریس مئی 1931 میں منعقد ہوئی ۔اس میں 13 صوبوں کے 40 نمائندے شریک ہوئے ۔امریکی سامراج اور فلپائنی امیر طبقے کے خودغرضانہ استحصال نے عوام کی زندگی بڑی دشوار بنادی تھی ۔اس لئے کمیونسٹ پارٹی کا انقلابی پروگرام جلد ہی غریبوں کی امنگوں کو ترجمان بن گیا۔ 1931 میں سرکار نے پارٹی کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ پارٹی امریکی سامراجی تسلط اور بڑے زمین داروں کے ظلم کے خلاف پر جدوجہد میں حصہ لینے لگی۔ وہ زمین ضبط کر کے بے زمین کسانو ں میں تقسیم کرنے کا مطالبہ کرنے لگی۔فلپائن کی نیم غال م سرکار محبّ وطن عناصر کو غداری اور بغاوت کے الزام میں گرفتار کر کے بار بار سزائیں دیتی رہی۔لیکن جدو جہد جاری رہی۔

سوشلسٹ پارٹی: کسانوں اور مزدوروں کے مسائل حل کرنے کے لئے سوشلسٹ پارٹی کئی سالوں سے جدوجہد کر رہی تھی۔ وسطی لوزون کے علاقے میں پارٹی نے بڑی محنت سے کام کیا تھا۔اس کے بہادر کارکنوں نے بڑے زمین داروں، سرکاری افسروں اور پو لیس کے تشدد کے خلا ف مسلسل سخت جد وجہد کی تھی۔ پیدرو۔اباد۔سانتوس، اور لوئس۔تاروک 1930 سے اس تحریک میں کام کر رہے تھے۔1935 کے بعد کمیونسٹ، سوشلسٹ اور دیگر محبّ وطن پارٹیاں متحد ہو کر جدوجہد کرنے لگیں۔ یہ وہ دور تھا جب یورپ اور امریکہ کے سامراجیوں کے جبر وتشدد کا مقابلہ کرنے کے لئے دنیا بھر کے محکوم ومظلوم عوام نئے راستے اور نئے افق تلاش کر رہے تھے۔ایشیا میں چین، ویتنام، کوریا، انڈونیشیا اور ہندوستان کے محبّ وطن عناصر سامراجی غلامی کے خلاف جدوجہد کر رہے تھے۔ان ملکوں کے امیر طبقے کے قوم پرستوں کی سامراج دوستی نے آزادی کی جدوجہد کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ ہمیشہ ہر ملک کے انقلابی دوسرے ملکوں کے انقلابی عناصر سے متاثر بھی ہوتے ہیں اور حوصلہ بھی پاتے ہیں۔ایشیا میں جلنے والا ''آزادی کا دیا'' ایک شعلہ بن چکا تھا۔ یہ سچائی کا راستہ نہایت پر خطر تھا۔ دنیا کے محنت کشوں نے اگر یورپ کے انقلابیوں سے سوشلسٹ نظریات لئے تھے تو انہوں نے چین اور ویت نام کے انقلابیوں سے انتھک جدوجہد کرنا سیکھا تھا۔

تایوگ کی کسان تحریک: کسان بڑے زمینداروں کے ظلم، ساہوکاروں، پولیس اور سرکاری افسروں کی بے رحمی سے تنگ آ چکے تھے۔کسان زمین سے بے دخلی، بڑ ھے ہوئے کرایوں اور بھاری ٹیکسوں کے خلاف احتجاج کیا کرتے تھے۔آخر 1931 میں مسلح کسانوں نے شہر کے سٹی ہال کو لوٹ کر سارے زمین ملکیت کے کا غذات کو آگ لگادی۔امیر طبقے کے افسر، بڑے زمین داروں اور پولیس کے مظالم کو چھپانے کی کوشش کرتے تھے اور ان احتجاجی واقعات کو مذہبی جھگڑے قرار دیتے تھے۔

سک دال کی کسان تحریک: 'سک دال' تاگالوگ زبان کا لفظ ہے۔اس کے معنی ہیں 'الزام لگانا'۔ پورے فلپائن اور خصوصاً لوزون کے کسان امریکہ کی قائم کردہ سرکار اور بڑے زمین داروں کے ظلم وستم سے تنگ آ چکے تھے۔انہیں یقین تھا کہ آزادی اور انقلاب کے بغیر ان کی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔مئی 1935 کو 'سک دال کی بغاوت' ہوئی منیلا کے اردگرد کے علاقے میں ہزاروں کسان مردوں اور عورتوں نے اس میں حصہ لیا۔اس انقلابی تحریک کو کامن ویلتھ کی فوج نے انتہائی بر بریت سے کچل دیا۔ یہ تحریک اس بات کا ثبوت تھی کہ اب فلپائن کا کسان بھی اپنے حقوق کے لئے لڑنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔اس تحریک میں شریک ایک کسان کے الفاظ میں ''ہم نے انہیں دکھا دیا کہ ہمارے بھی حقوق ہیں۔ہم جانتے ہیں کہ ہما رے حقوق کیا ہیں؟ ہم ان کے لئے مرنے کو تیار ہیں۔ہم نے امریکہ کو بھی یہ دکھایا کہ ہم فلپائنی آزادی چاہتے ہیں۔''

اس انقلابی کسان کے یہ الفاظ اس کے لاکھوں ہم وطنوں کے دل کی آواز تھے۔فلپا ئنی سرکار کسانوں کو تنظیم قائم کرنے، جلسہ کرنے، احتجاج کرنے اور جلوس نکالنے کی اجازت نہیں دیتی تھی۔لیکن بہادر انقلابی کسان دیسی اور بدیسی ظالموں کے خلا ف ہتھیار اٹھانے کو حوصلہ رکھتے تھے....آخر سرکار بھی تو عوام کو صرف ہتھیار کی طا قت سے کچلتی ہے اور اپنے سے طاقتور بدیسی سامراج سے ڈر کر اسکے حکم پر عمل کرتی ہے۔

جاپانی سامراج کا حملہ:

جاپان نے دسمبر 1941 کو فلپائن پر حملہ کر دیا۔امریکی فوج نے چند مہینوں تک نہا یت بے دلی سے جاپانیوں کا مقابلہ کیا اور پھر فلپائن سے بھاگ گئے ۔یہ ان کا وطن نہیں تھا جس کی حفاظت کی جنگ لڑی جاتی۔ان کے سامراجی ساتھی برطانیہ اور نید رلینڈ بھی جاپان کا شروع ہوتے ہی سنگاپور، ملائشیا اور انڈونیشیا سے فرار ہو چکے تھے۔فروری 1942 کو فلپائن کا صدر کیوزون، نائب صدر اور اس کے وزراء امر یکی سب میرین میں منیلا سے بھاگ گئے اور واشنگٹن میں فلپائن کی جلاوطن سرکار قا ئم کر لی۔ان کا چہیتا فیلڈ مارشل ڈگلس میکارتھر بھی 'میں پھر آوں گا' کا سیاسی وعدہ کر کے آسٹریلیا چلا گیا، جہاں امریکی فوج نے نیا ہیڈ کوارٹر قائم کیا تھا۔فلپائن کا بڑا زمین دار طبقہ اپنی پالیسی بدل کر امریکہ کی بجائے جاپان کا وفادار بن گیا ۔مئی 1942 تک جاپان سارے فلپائن پر قابض ہو چکا تھا۔جاپان نے بڑے زمین دار طبقے کی مدد سے نئی انتظامیہ تشکیل دی۔لیکن فلپائنی عوام جاپانی سامراج کی محکومیت قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھے۔انہوں نے ایک مسلح تنظیم قائم کی اور جاپا ن کے خلاف چھاپہ مار جنگ لڑنے لگے۔جنگ کی بدلتی ہوئی صورت حال کے پیش نظر جاپان نے جلد ہی فلپائن کو آزادی دینے کا اعلان کیا۔''آزادی کی تیسری تقریب 14 اکتوبر 1943 کو اسمبلی کی عمارت کے سامنے منعقد ہوئی۔اگوینالڈو نے فلپائن کو قومی جھنڈا الہرایا اور ترانہ گایا گیا۔جاپان نے 'جوز۔لاریل' کا نیا صدر بنادیا۔

دوسامراجیوں کی اس جنگ میں فلپائن تباہ و برباد ہو رہا تھا۔اب جاپان نے فلپائن کے قومی وسائل لوٹنے شروع کر دیے تھے۔غیر ملکی طاقتوں کی مداخلت سے بیزار فلاپ ئن کے قوم پرست، طالب علم، مزدور اور کسان اس نئی غلامی کے خلاف برسر پیکار تھے۔سارے فلپائن میں تحریک آزادی جاری تھی۔جاپانی فوج اکثر گھروں کی تلاشی لیتی اور گرفتاریاں کرتی تھی۔جاپانی فوج کے تشدد سے ہزاروں شہری مارے جا رہے تھے۔لیکن اس سے فلپائنی حریت پسندوں کے حوصلے پست نہیں ہوئے ۔انہوں نے چھاپہ مار جنگ جاری رکھی۔ادھر فلپائن سے دور بیٹھے میکارتھر اور اس کے افسر بڑی چالاکی سے اپنی پروپیگنڈا مہم چلا رہے تھے۔لاکھوں باکلیٹ، ماچس کے ڈبے، صابن کے کاغذ اور پمفلٹ جن پر میکارتھر کا یہ پیغام لکھا ہوتا تھا کہ 'میں پھر آؤں گا' فلپائن میں جہازوں سے پہنچائے جاتے تھے۔آخر اکتوبر 1944 کو امریکی فوج نے فلپائن پر حملہ کر دیا۔جاپان اور امریکہ کے درمیان ہونے والی شد ید جنگ میں ہزاروں فلپائنی مارے گئے ۔منیلا کا شہر بری طرح تباہ ہو گیا۔سامراجی ملکوں کی اس عظیم جنگ میں دارسا کے بعد منیلا ہی سب سے زیادہ تباہ و برباد ہوا۔

حک تحریک:''حک۔بالا۔حاپ'' جزائر فلپائن میں سب سے زیادہ بولی جانے وا لی تا گالوگ زبان کے نام ''حک۔بونگ۔بایان۔لابون۔سا۔حاپون'' (جاپان کے خلاف متحدہ محاذ) کا مخفف ہے۔جاپانی حملے کے فوراً بعد وسطی لوزون میں یہ کسان تحریک شروع ہوئی۔منیلا کی شہری آزادیوں کی یونین سے وابستہ دانشور اور متوسط طبقے کے عناصر اس تحریک میں شامل ہو گئے۔جاپان کے تسلط کے دوران اس کے اراکین کی تعداد 100,000 ہو گئی تھی۔حک تنظیم کے چھاپہ مار دستے تین سال تک جاپانی فوج کے خلاف لڑتے رہے۔دوران جنگ چھاپہ ماروں او امریکہ کے درمیان تعاون جاری تھا۔چھاپہ ماروں نے بہت سے امریکی پائلیٹوں کی جان بچائی تھی۔امریکہ نے بھی حک چھاپہ ماروں کو ہتھیار فراہم کیے تھے۔اس جدوجہد کے دوران حک تحریک بھی ایک طاقتور تنظیم بن چکی تھی۔اس میں چھاپہ مار جنگ جاری رکھنے کی بھرپور صلاحیت تھی۔اس نے کئی علاقے جاپان سے چھین لئے تھے۔جاپان کی شکست کے بعد اس نے اپنے دائرہ اثر کو تیزی سے بڑھایا ۔فلپائنی قوم پرست امریکی تسلط کے چالیس سال دیکھ چکے تھے۔امریکہ نے بڑے زمین دار طبقے کی ہمیشہ حمایت کی تھی۔اس کے تسلط کے دوران کسانوں اور محنت کشوں کی غریبی اور مفلسی میں اضافہ ہی ہوا تھا۔اس جمہوری اتحاد نے بہ حیثیت ایک سیاسی پارٹی جولائی 1945 میں کام کرنا شروع کیا تھا۔جمہوری اتحاد نے ملک کے سامنے ایک سیاسی پروگرام پیش کیا....زرعی پیداوار میں کسان کو زیادہ حصہ دیا جائے ۔مزدور کو کم از کم تین پیسو روزانہ مزدوری دی جائے۔سرکار بڑی زمین درایاں خرید کر کسان کو مناسب کرایے پر زمین کاشت کرنے کے لئے دے ۔اس جمہوری اتحاد میں حک بالا حاپ تحریک کے لیڈر لوئس تاروک حک کے سیاسی مشیر کیمیادان ڈاکٹر 'وینسیٹ لاوا' اور بہت سے کسان اور مزدور گروپ شامل ہو گئے۔

وہ سب غیر ملکی سامراجی تسلط سے آزاد فلپائن کا خواب دیکھتے تھے۔وہ بڑے زمینداروں کے استحصال کے خلاف تھے اور چاہتے تھے کہ مزدورں، ٹیچروں، چھو ٹے تاجروں اور دکانداروں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔ایک محکوم ملک صرف سا

مراجی منڈی کی حیثیت رکھتا تھا۔امیر طبقے نے پھر یہ ثابت کر دیا کہ وہ سامراجی انصاف پر امریکی غلامی کو ترجیح دیتا ہے۔متحدہ محاذ نے فلپائن کے اپریل 1946 کے انتخاب میں حصہ لیا۔وسطی لوزون کے علاقے سے ان کے 6 اسمبلی ممبر منتخب ہوئے ۔لیکن انہیں اسمبلی میں ممبر شپ کا حلف نہیں لینے دیا گیا تا کہ وہ امریکہ کو فلپائن میں وسیع قانونی حقوق دینے کی مخالفت نہ کر سکیں ۔فلپائن کے نئے صدر روکسا اور امریکی سامراجی فوج نے پورے ملک میں حک تحریک کے کسانوں، مزدوروں اور قوم پرستوں کے خلاف فوجی کارروائی شروع کر دی۔حوک مت ان کے اہم کارکنوں پر قاتلانہ حملے کروانے لگی.....کسان لیڈر ع، جوان فیلیو، کو صدر روکسا کی بیوی کے ایک بڑے فارم کے قریب اغوا کر لیا گیا۔کئی ہفتے بعد قریب کی ندی سے اس کی لاش ملی ۔عام طور سے یہ یقین کیا جاتا تھا کہ یہ قتل صدر روکسا نے کروایا تھا۔جوان فیلیو کے اغوا کے پانچ دن بعد منتخب اسمبلی ممبر لوئس تاروک منیلا سے چلا گیا اور حک چھاپہ ماروں کے ساتھ جنگ میں شامل ہو گیا۔آٹھ سال تک وسطی لوزون پر حک چھاپہ ماروں کا قبضہ رہا، بلکہ وہ منیلا شہر کے لئے ایک خطرہ بنے ہوئے تھے۔آکر امریکی سامراجی اپنے سپاہیوں کے تشدد اور فلپائنی غداروں کی وجہ سے انہیں شکست دینے میں کامیاب ہو گئے۔

ظالموں، نسل پرستوں اور اپنے آپ کو ماسٹر ریس سمجھنے والوں کے خلاف محکوم ملکوں کے عوام جنگ کرتے رہیں گے۔چونکہ سامراجی نظام نوآبادیات اور کمزور ملکوں کے وسائل سے فائدہ اٹھا کر توانائی حاصل کرتا ہے۔اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ملک اپنے وسائل کی حفاظت کرے اور غیر ملکیوں کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہ دے۔کئی امریکی فلپائن میں اس مداخلت کے خلاف تھے۔لیکن امریکہ کے باہر ہی نہیں امریکہ کے اندر بھی میکارتھی ازم حملہ آور تھا۔نازی جرمنی اور اٹلی کے فاشزم کے خلاف لڑنے والے خود نازی اور فاشسٹ بن چکے تھے۔دنیا میں ہر وہ ملک جو آزادی کے لئے جدوجہد کرتا تھا۔امریکی سامراجیوں کو وہاں کمیونزم کا دیو یا غیر ملکی ایجنٹ دکھائی دیتے تھے۔جہاں جابر فوجی آمر یا بادشاہ حکومت کرتے تھے وہاں اسے جمہوریت ترقی نظر آتی تھی.....کیا گاؤں کے غریب کسان اور شہروں کے غریب مزدور غیر ملکی ایجنٹ ہیں....؟ کیا غیر ملکی ایجنٹ آزادی کی جدوجہد میں تن من دھن لٹا دیتے ہیں؟نہیں غیر ملکی ایجنٹ تو آرام سے کسی غیر ملک میں غداری کے صلے میں حاصل رقم سے پر آسائش زندگی گزارتے ہیں یا پھر وطن فروشی کے عوض حاصل شدہ دولت کے بل پر ان کی آئندہ نسلیں ملک میں سیاست ک کھیل کھیلتی ہیں۔

ظالموں، نسل پرستوں اور اپنے آپ کو ماسٹر ریس سمجھنے والوں کے خلاف محکوم ملکوں کے عوام جنگ کرتے رہیں گے۔چونکہ سامراجی نظام نوآبادیات اور کمزور ملکوں کے وسائل سے فائدہ اٹھا کر توانائی حاصل کرتا ہے۔اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ ہر ملک اپنے وسائل کی حفاظت کرے اور غیر ملکیوں کو اپنے ملک میں مداخلت کا موقع نہ دے۔کئی امریکی فلپائن میں اس مداخلت کے خلاف تھے۔لیکن امریکہ کے باہر ہی نہیں امریکہ کے اندر بھی میکارتھی ازم حملہ آور تھا۔نازی جرمنی اور اٹلی کے فاشزم کے خلاف لڑنے والے خود نازی اور فاشسٹ بن چکے تھے۔دنیا میں ہر وہ ملک جو آزادی کے لئے جدوجہد کرتا تھا۔امریکی سامراجیوں کو وہاں کمیونزم کا دیو یا غیر ملکی ایجنٹ دکھائی دیتے تھے۔جہاں جابر فوجی آمر یا بادشاہ حکومت کرتے تھے وہاں اسے جمہوریت ترقی نظر آتی تھی.....کیا گاؤں کے غریب کسان اور شہروں کے غریب مزدور غیر ملکی ایجنٹ ہیں....؟ کیا غیر ملکی ایجنٹ آزادی کی جدوجہد میں تن من دھن لٹا دیتے ہیں؟نہیں غیر ملکی ایجنٹ تو آرام سے کسی غیر ملک میں غداری کے صلے میں حاصل رقم سے پر آسائش زندگی گزارتے ہیں یا پھر وطن فروشی کے عوض حاصل شدہ دولت کے بل پر ان کی آئندہ نسلیں ملک میں سیاست ک کھیل کھیلتی ہیں۔

کے عوض حاصل شدہ دولت کے بل پر ان کی آئندہ نسلیں ملک میں سیاست ک کھیل کھیلتی ہیں۔

1945 کے بعد امریکی سامراجی مداخلت:

جنگ ختم ہوتے ہی دوستی کی باتیں دم توڑ گئیں۔فلپائن کی دوستی کا سب سے بڑا دعویدار جنرل ڈگلس میکارتھر جسے خاص طور سے فیلڈ مارشل بنایا گیا تھا، وہ اتحادی جو جوں کے سربراہ کی حیثیت سے جاپان چلا گیا۔اس نے جانے سے پہلے ایک جاپاپا ن نواز بڑے زمیندار مینوئل روکسا کو فلپائن کی صدارت کے لئے چن لیا۔چین میں کمیونسٹ پارٹی کی مسلسل کامیابی سے فلپائن کی فوجی اور سیاسی اہمیت اچانک بڑھ گئی تھی۔1946 کے انتخابات میں روکسا کو صدر منتخب کروالیا گیا۔فلپائن کی آ زادی کی چوتھی تقریب 4 جولائی 1946 کو اسمبلی کی تباہ شدہ عمارت کے قریب ایک پارک میں منعقد ہوئی۔صدر روکسا نے قومی جھنڈا لہرایا اور قومی ترانہ گایا گیا ۔جنگ نے کیمعیشت کو تباہ کر دیا تھا۔امریکہ اور جاپان کی زبردست بمباری سے منیلا کے شہر کو بھاری نقصان پہنچا تھا، وہ اس کی تلافی کرے گا۔لیکن جنگ ختم ہوتے ہی امریکی سامراج کی ترجیحات بدل گئی تھیں۔پرل حاربر پر بمباری سے پہلے جاپا ن کو خام لوہا اور تیل فراہم کرتا تھا۔جس نے جاپان کی جنگی صنعتوں کی ترقی میں بڑ ی دد دی تھی۔جنگ ختم ہو جانے کے بعد امریکہ کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ جاپان کا بر سر اقتدار طبقہ امریکہ کے ساتھ مکمل تعاون کرنے پر آمادہ ہے۔جاپان کی صنعتوں اور جاپانی قوم کی ٹیکنیکل صلاحیت کی وجہ سے جاپان میں سرمایہ کاری بہت منفعت بخش ثابت ہو سکتی تھی۔طاقت، ریاست اور سیاست کے پیچیدہ عمل می مان فع کی خو اہش اہم رول ادا کرتی ہے۔صدیوں سے مذہب، سائنس، تجارت اور ترقی کے نا م پر ہمیشہ برسر اقتدار طبقے کے مالی سیاسی اور فوجی مفادات کی خاطر ملکوں کی سر حدیں پار کی گئیں اور ان کو لوٹ کر تباہ برباد کیا گیا۔پرل حاربر پر حملہ کر کے امریکہ کو چیلنج کرنے والے ایشیا میں ان کے بہترین دوست قرار پائے۔جاپان کی معیشت کی فوری بحالی کے لئے مارشل پلان بنایا گیا۔جنگ کی تباہی کے بعد اب کسی یورپی ملک میں امریکہ کا مقابلہ کرنے کیسکت نہیں تی اور روس یورپ میں پھیلنے کے مو قعے سے پورا فائدہ اٹھا کر ایسٹرن بلاک کی تشکیل میں مصروف تھا۔

جنگ سے بریطرح تباہ فلپائن کی ذمے داری سے چھٹکارا پانے کے لئے اسے امر یکی شرائط پر آزادی دے دی گئی۔فلپائن کے بڑے زمین دار اور امیر تاجر طبقے نے اپنے معاشی، سیاسی اور فوجی مفادات کی خاطر امریکہ کی تمام شرائط تسلیم کر لیں۔امریکہ نے فلپائن نقصانات کیادائیگی کو بل ٹریڈ معاہدے سے منسلک کر دیا ۔اس معاہدے کے تحت فلپائنی 'پیسو' ڈالر سے باندھ دیا گیا۔امریکی شہریوں کو فلپا ئنی شہریوں کے برابر حقوق حاصل ہو گئے۔امریکی صدر کو یہ اختیار دیا گیا کہ اگر کوئی فلپائنی پالیسی کسی امریکی تجارتی کمپنی یا شہری مفاد کے خلاف ہو تو امریکی صدر اس کو تبدیل کر سکتا ہے۔یہ سب غلامانہ معاہدے 'فری ٹریڈ' کہلائے۔1947 کے فوجی اڈوں کے معاہدے کی رو سے امریکہ کو 99 سال کے لئے فلپائن کے مختلف علا قوں میں 23 بری، بحری اور ہوائی اڈے دے دیے گئے۔1947 کے فوجی امداد کے معاہدے کے تحت فلاپائنی فوج کی تربیت اور ہتھیاروں کی سپلائی امریکہ کی مر ضی کے مطابق ہونے لگی اور تمام سرکاری معاملات میں امریکی مشیروں کو اہم امر یکہ کی مرضی کے مطابق ہونے لگی اور تمام سرکاری معاملات میں امریکی مشیروں کو اہم رول حاصل ہو گیا۔ان معاہدوں کا فلپائنی قوم پرستوں پر شدید ردعمل ہوا۔اس مایوسی اور غصے نے حک چھاپہ مار تحریک میں نئی شدت پیدا کر دی۔ایشیا پر امریکی سا مراجی تسلط کی نئی منصوبہ بندی میں فلپائن پر مکمل فوجی کنٹرول کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔یہ اڈے دوسرے ایشیائی ممالک پر حملے کے لئے استعمال کیے جا سکتے تھے۔

صدر کسا نے جنوری 1948 میں فلپائن سے غداری کر کے جاپان سے تعاون کر نے والے تمام امراء کو عام معافی دے دی۔اس نے 6 مارچ 1948 کو 'حک ۔بالا۔حاپ' تحریک کو غیر قانونی قرار دے دیا۔امریکی فوجیں سارے جزائر میں قوم پرست عناصر پر تشدد کرتی رہیں۔اپریل 1948 میں روکسا کی موت کے بعد نئے صدر قیورینو نے حک تحریک کے قوم پرست چھاپہ ماروں اور اس کے لیڈر لوئس تاروک کے لئے معافی کا اعلان کیا۔انہیں ہتھیار ڈالنے کے لئے کچھ وقت دیا گیا ۔لوئس تاروک نے یہ پیش کش قبول کر لی جنگ سے تباہ برباد اور معاہدوں کی زنجیر میں مقید فلپائن کے خوب صورت جزائر نیم آزادی اور نیم غلامی کے کٹھن مراحل عبور کرتے رہے۔

عزت بلوچ

یہ 24 دسمبر 2012 کی بات ہے کہ حسب معمول مشکے کے لوگ صبح اُٹھ کر اپنے روزکی سرگرمیوں میں مشغول ہونے چلے گئے۔دکاندار، زمیندار پیٹ کی تلاش میں سرگرداں تھے۔صبح آٹھ بجے ایس ایم ایس ک ذریعے یہ بات زبان زدعام ہوئی کہ خضدار سے ایف سی کی 20 گاڑیاں مشکے کی جانب روانہ ہیں۔مشکے خضدار سے عموماً 4 گھنٹے کی مسافت پر ہے۔لیکن قابض ریاست کی فوجیوں کے لئے کم از کم 14 سے 16 گھنٹے تک کا سفر ہے۔کیونکہ مشکے پہنچتے ہوئے راستے میں انہیں ہر مرتبہ سرمچاروں کے حملوں سے منہ کی کھانی پڑی ہے۔قابض فورسز کی گاڑیاں 11 بجے جیبری پہنچ گئے۔دوسری طرف قابض کے خلاف سرمچار بھی کمر بستہ اپنی سرزمین کی حفاظت کے لئے تیار تھے۔جیبری سے فوجی کیمپ عام طور پر 25 سے 30 منٹ کا فاصلہ ہے۔لیکن سرمچاروں کے تابڑتوڑ اوراعصاب شکن حملوں سے قابض فوجیوں کے اوسان خطا ہوگئے۔سرمچاروں کے حملوں سے وہ آگے بڑھ نہیں رہے تھے۔دن کے 11 بجے شروع ہونے والی لڑائی اس وقت ختم ہوگئی جب رات کے 7 بجے فوجی گاڑیاں کیمپ پہنچ گئیں۔اس راستے سے سفر کرتے ہوئے سرمچاروں کے حملوں سے تھکے ہوئے دشمن کے اہلکار اکثر اپنی گاڑیوں سے اتر کر پیدل سفر کرتے ہیں۔لیکن بلوچ فوجیوں کے سامنے ان کی ہر دلیل ''ہیچ'' ہے۔ بلکہ ان پر سرمچاروں کے حملے تواتر سے جاری رہتے ہیں۔راستے سے گزرنے والے عینی شاہدین کے مطابق انہیں جگہ جگہ فوجیوں کے گرنے کی جگہ ''خون'' نظر آئے۔جبکہ تباہ شدہ گاڑیوں کے ملبے دشمن فورسز کھینچتے ہوئے اپنے ساتھ لے گئیں۔

اگلے روز یعنی 25 دسمبر 2012 کی علی الصبح آرمی کی متعدد ہیلی کاپٹرز کی تھرتھراتی اورسڑک پر دھواں اڑاتی لاتعداد گاڑیوں کی آوازوں سے لوگ بیدار ہو گئے۔9 ہیلی کاپٹرز اور 160 گاڑیوں پر مشتمل کانوائے نے صبح سویرے بلوچ قومی رہنماء ڈاکٹر اللہ نظر بلوچ کے آبائی گاؤں میہی کا گھیراؤ کیا۔میہی کے علاقہ مکینوں کے مطابق صبح جب ہم نماز سے فارغ ہوکر واپس جا رہے تھے تو ہمیں چاروں طرف سے فوجی بوٹوں کی دہشت ناک آواز نے پریشان کر دیا۔یہ سب کچھ اچانک ہوتا دیکھ کر ہم حیران ہو گئے۔فوجی اپنی گاڑیاں ہماری زمینوں اور کھڑی فصلوں پر سے دوڑا رہے تھے۔ ہم دوڑے دوڑے بچوں اور عورتوں کو گھروں سے نکال رہے تھے کہ اسی دوران فوجی باقاعدہ محلے میں داخل ہو چکے تھے۔جبکہ محلے میں کھلبلی مچی ہوئی تھی۔ ہیلی کاپٹرز فضاء سے مسلسل شیلنگ کر رہے تھے، زمین سے فوجی گھروں کو ڈائنامائیٹ لگا کر ایک ایک کر کے اُڑا رہے تھے۔ علاقے کے لوگ اپنے ارمانوں کو اس طرح جلتے دیکھ کر آبدیدہ تھے۔قابض فورسز نے گھیراؤ کا دائرہ وسیع کرتے ہوئے گجلی ،جیبری اور نوکجو تک پھیلا دیا۔اور نہتے عوام پر شدید بمباری کرتے رہے۔صبح سویرے عام طور پر بھیڑ بکریاں گھروں پر ہی ہوتی ہیں۔قابض فورسز سے جتنا ہوسکا وہ اپنے ساتھ بھیڑ بکریاں لے گئے۔ جبکہ باقیوں پر پٹرول چھڑک کر آگ لگا دی۔گھروں سے قیمتی سامان، کمبل، اور زیور پر بھی ہاتھ صاف کر دیا۔ظالم یہ خونی کھیل پورا دن کھیلتا رہا۔جبکہ میہی سے لیویز اہلکار شہبیک بلوچ، نوکجو کے رہائشی ظہور بلوچ، عالو بلوچ، نعیم بلوچ سمیت متعدد بلوچ نوجوانوں کو گرفتار کر کے لاپتہ کر دیا۔جبکہ 4 ہیلی کاپترز نے اپنا رخ مشکے کے مغربی پہاڑی علاقے تنک اور چٹوک کی طرف کیا۔ پہاڑی آبادیوں کا گھیراؤ کر کے پورے 5 گھنٹے تک مسلسل بمباری سے پہاڑوں کے رنگ سیاہ پڑ گئے۔جبکہ گھنے جنگلات سے دھوؤں کے بادل پورے شہر سے نظر آرہے تھے۔میر ساہو کے گھر پر بمباری کر کے 18 خواتین و بچوں کو شہید کر دیا۔نہتے عوام پر بمباری کا یہ مظاہرہ بلوچستان پہلی مرتبہ نہیں دیکھ رہا تھا۔ بلکہ جب سے پاکستان نے قبضہ کیا ہے بلوچستان ایسی ظلم و جبر کا چشم دید گواہ ہے۔چٹوک میں نہتے خواتین و بچوں نے طاقت کے نشے میں مست قابض کے قاتل گروہ ''آرمی'' کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر تحریک آزادی میں اپنا حصہ ڈال کر موت کو تاریخی شکست سے دوچار کر کے گلزمیں کو اپنی ابدی خواب گاہ بنا کر تاریخ میں ہمیشہ کے لئے زندہ مثال بن گئے۔ بمباری اور طاقت کا یہ مظاہرہ پورا دن جاری رہا۔25 دسمبر کی شام 7 بجے قابض فورسز علاقے کا گھیراؤ چھوڑ کر واپس اپنے کیمپ چلے گئے۔جبکہ مختلف مقامات پر 12 سے زیادہ چوکیاں لگا کر بیٹھ گئے۔مشکے کے داخلی و خارجی راستے مکمل طور پر

بند تھے۔جبکہ متاثر شدہ علاقے کے لوگ ساری رات سردی سے ٹھٹھرتے رہے۔ چٹوک کے رہائشیوں کے مطابق ''صبح 6 بجے جب ہم سو رہے تھے تو ہیلی کاپٹرز کی آوازوں سے ہم بیدار ہو گئے۔ ہمارا پورا علاقہ محاصرے میں تھا۔ جبکہ مسلسل شیلنگ اور بمباری سے ہمارے بچے بہت خوفزدہ تھے۔بچوں کے لیئے یہ سب کچھ نیا تھا۔ جتنے بھی نوجوان تھے وہ اپنی جان بچانے میں کامیاب ہوگئے۔جبکہ بوڑھے ، بچے اورعورتیں اُن کی گولیوں اور بموں کا نشانہ بن گئے۔ دیکھتے ہی دیکھتے ہمارے سارے جھونپڑیوں میں آگ لگ گئی۔ بچے خوف کے مارے خون سے لت پت

ایک پولیس اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ جب ہم شہید عرض محمد کی لاش لینے فوجی کیمپ چلے گئے تو اہلکاروں نے ہمیں اندر جانے نہ دیا۔جبکہ زخمی اہلکاروں کی چیخ وپکار ہم نے قریب سے واضح طور پر سنی۔وہ سرمچاروں کے حملوں سے تنگ آچکے تھے۔وہ اپنے کیمپ کے اندر بھی خود کو محفوظ نہیں سمجھ رہے تھے۔پولیس نے جب شہید عرض محمد کی جسد خاکی کو ہسپتال پہنچادیا تو علاقے میں فورسز کی وحشیانہ بمباری اور غنڈہ گردی کے باوجود لاتعداد لوگ شہید کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی موجود تھے۔شہید کے جنازے کو ہزاروں لوگوں نے آخری

ایک پولیس اہلکار نے نام ظاہر نہ کرنے کی شرط پر بتایا کہ جب ہم شہید عرض محمد کی لاش لینے فوجی کیمپ چلے گئے تو اہلکاروں نے ہمیں اندر جانے نہ دیا۔جبکہ زخمی اہلکاروں کی چیخ وپکار ہم نے قریب سے واضح طور پر سنی۔وہ سرمچاروں کے حملوں سے تنگ آچکے تھے۔وہ اپنے کیمپ کے اندر بھی خود کو محفوظ نہیں سمجھ رہے تھے۔پولیس نے جب شہید عرض محمد کی جسد خاکی کو ہسپتال پہنچادیا تو علاقے میں فورسز کی وحشیانہ بمباری اور غنڈہ گردی کے باوجود لاتعداد لوگ شہید کے استقبال کے لئے پہلے سے ہی موجود تھے۔شہید کے جنازے کو ہزاروں لوگوں نے آخری آرام گاہ پہنچادیا۔قبرستان میں پہلے سے ہی لوگوں کا جم غفیر جمع تھا

لاشوں سے چمٹ کر چیخ وپکار کررہے تھے۔یہ لمحہ ہمارے لئے کسی قیامت سے کم نہ تھا'' قصہ بیان کرتے ہوئے چٹوک کے ایک رہائشی آبدیدہ ہوگئے۔اوراپنی شہید والدہ کو یاد کر کے بہت روئے۔ چٹوک کے ایک اور رہائشی نے بتایا''جہازوں کی بمباری سے ہمارے بچے زخمی ہو چکے تھے، مال مویشیاں آگ پکڑ چکی تھیں،6 بجے سے لیکر 12 بجے تک جہاز آگ اگلتے رہے۔ 12 بجے جب جہاز زمیں پر اترے تو ہمارے زخمی بچوں کو ایک ایک کر کے گولی ماردی۔ہم نے اس سے پہلے ایسا ظلم کبھی نہیں دیکھا ہے'' پوچھنے پراس نے بتایا''جب سے علاقے میں بلوچ سرمچار موجود ہیں ہماری مال مویشیاں محفوظ تھیں، ہماری زندگیاں سکون سے گزر رہی تھیں لیکن آج آرمی کی بمباری سے ہمارا سب کچھ تباہ ہوگیا۔

اگلے روز یعنی 26 دسمبر 2012 کی صبح آرمی ہیلی کاپٹرز نے دوبارہ میہی کا گھیراؤ کیا۔خواتین و بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا غلیظ گالیاں بکتے رہے۔جبکہ متعدد مقامات پر قابض فوجیوں سے جھڑپوں کی اطلاعات بھی آرہی تھیں۔بلوچ فرزند شکاری عرض محمد''جو کہ ایک ہاتھ سے معزور تھا'' کو قابض فورسز نے فائرنگ کر کے شہید کردیا۔

آرام گاہ پہنچادیا۔قبرستان میں پہلے سے ہی لوگوں کا جم غفیر جمع تھا۔آپریشن کا دوسرا دن بھی اختتام کو تھا۔شہید عرض محمد اور چٹوک میں بچوں وخواتین کی شہادت سے لوگ دلبرداشتہ تھے۔ ہر شخص سرمچاروں کے لئے دعا گو تھا۔26 دسمبر کا دن بھی فورسز کی بمبارمنٹ،علاقے کا محاصرہ، بازار وسڑکیں سنسان ،متعدد مقامات پر گھمسان کی لڑائیوں کے ساتھ اختتام پزیر ہوا۔جبکہ اسی دن 18 بلوچ فرزندان جرم بلوچیت کی سزا پاکر ہمیشہ کے لئے امر ہوگئیں۔

آپریشن کے تیسرے روز یعنی 27 دسمبر 2012 کو علاقے کے عوام سہمے سہمے گھروں سے نکلے۔آج فضاء میں ہیلی کاپٹرز کی پروازیں بھی بہ نسبت پہلے کم تھیں۔لیکن علاقہ تاحال محاصرے میں تھا۔میہی ،گجلی ،اور چٹوک کے خستہ حال اور جلے ہوئے گھروں سے تاحال دھوؤں کے ہلکے ہلکے سیاہ بادل اٹھ رہے تھے۔ علاقوں کے لوگ کھلے آسمان تلے بیٹھ کر جلے ہوئے مکانات کو حسرت کی نگاہ سے دیکھ رہے تھے۔میہی میں بھوک اور پیاس سے بلکتے بچوں کی آہ بکاہ قیامت صغریٰ کا منظر پیش کررہی تھی۔ پورے محلے میں پہلے سے ہی پانی کے لئے ایک جنریٹر ''جوقریب کے ایک کسان کی تھی'' سے پانی حاصل کیا جاتا تھا۔لیکن پاکستانی آرمی

نے اِس پر بھی گولیاں چلائیں اور ٹینکی میں شگر ڈال دی تا کہ پانی حاصل کرنے کا یہ واحد ذریعہ بھی ختم ہو جائے۔

آج کے دن میہی کی آبادی نے نکل مکانی شروع کی۔ شروع شروع میں فورسز نے انہیں جانے نہیں دیا لیکن جب لوگوں نے جانے کی ٹھان لی تو فورسز ان کا راستہ روک نہ سکے۔ طاقت کے وحشیانہ مظاہرے کے باوجود بھی لوگوں کے جزبہِ حریت کو دیکھ کر دشمن شدید مایوسی کا شکار تھا۔ وہ بالکل بھیگی بلی کی طرح تھا۔ 27 دسمبر کی شام ڈھلنے تک میہی خالی ہو چکا تھا۔ سنسان اور خاموش علاقے میں دھوئیں اور چند زخمی اُونٹ اور بکریوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ جاتے ہوئے ایک ضعیف العمر شخص نے اپنے بیٹے کی شادی پر جمع کی ہوئی بکریوں، زیورات اور اور جلے ہوئے کپڑوں کو یاد کر کے کہا ''مئے درستیں واب اشاں بے معنا کت انت'' (ہماری سارے خواب انہوں نے توڑ دیے)۔ لیکن اس وقت فتح کے شدید احساس سے سر بلند ہوئے جب ایک شیر زال بول اٹھی کہ ''ہمارے خواب بے معنی نہیں، خوابوں کی تعبیر ہی جنگ کے بعد نمودار ہوگا۔ یہ جنگ ہے''۔ ''یہ جنگ ہے'' کا لفظ سن کر تمام لوگ خاموشی سے محو سفر ہو گئے۔ اور بہتر مستقبل کے لئے اپنی قربانیوں سے انکے چہروں پر مسرت سا چھا گیا۔ آج کا سورج بھی مشکلات و مصائب میں گرے اشرف المخلوقات کو چھوڑ کر ظالم انسانوں کے ظلم سے شرمندہ ہو کر حسب روایت ''گرّ و'' کے پیچھے خود کو چھپاتا ہوا لامکان کو چلا گیا۔

28 دسمبر کو بھی آپریشن جاری تھا۔ پورا علاقہ محاصرے میں تھا۔ باہر دنیا کے لوگ نئے سال کو خوش آمدید کرنے کے لئے مختلف تیاریوں میں مشغول تھیں۔ جبکہ بلوچستان کو یہ 66واں سال ہونیوالا تھا کہ وہ ایک نئے سورج کی تلاش میں تھا۔ پچھلے سالوں کی طرح سال 2012 کا آغاز بھی بلوچستان پر بمباری سے ہوا، اور اختتام بھی اُس سے مختلف نہ تھا۔ قابض نے اپنی وحشت کی روایت کو برقرار رکھتے ہوئے 2013 کی شروعات کو بھی بلوچستان میں بمباری سے کیا۔ 2013 کی شروعات حسبِ توقع بلوچستان کے علاقوں مند، مستونگ، ڈیرہ بگٹی، بیسیمہ اور مشکے میں پہلے سے جاری کارائیوں سے ہوا۔ 18 جنوری کی صبح قابض آرمی کے اہلکاروں نے مشکے کے علاقے کھنڈڑی کا گھیراؤ کیا۔ لاؤڈ سپیکر کے ذریعے لوگوں کو علاقہ فوراً خالی کرنے کی دھمکی دی۔ نہتے عوام اسی سوچ میں تھے ''وہ اپنے آباؤ اجداد کی کمین گاہوں کو چھوڑ کر کہاں جائیں'' کہ قابض اہلکاروں نے عوام پر فائرنگ کر دی۔ گھروں میں گھس کر زبردستی بلوچ خواتین کو گھروں سے نکال کر ان کے گھر جلا دیئے گئے۔ جبکہ بلوچ معاشرے میں انتہائی معتبر مقام رکھنے والی خواتین میلوں کا فاصلہ پیدل اور ننگے پاؤں طے کر کے نکل مکانی پر مجبور ہو گئیں۔ صبح سے لیکر دن کے تیسرے پہر تک پاکستانی لشکر نے علاقہ کا گھیراؤ کیا ہوا تھا، لوٹ مار کے بعد گھروں کو ایک ایک کر کے جلا رہے تھے۔ کھنڈڑی کے لوگ اپنے آباء کی نشانیوں کو اس طرح جلتے دیکھ کر افسردہ تھے۔ جبکہ ملک ہیو'' جسے وہاں کے لوگ اپنا دادا مانتے ہیں'' بیرک لہرا لہرا کر لوگوں کو آنیوالے صبح نو کی نوید دے رہا تھا۔ یہ احساس لوگوں کے لئے مسرّت کا باعث بنا ہوا تھا کہ اُنہوں نے بھی آنیوالے ''آزاد صبح'' کے لئے اپنی قربانیاں شامل کی ہیں۔ تمام عوام کو یہ یقین محکم ہو رہا تھا کہ آزاد صبح ''صبح نو'' کی آمد آمد ہے۔

24 دسمبر 2012 سے تا حال مشکے میں روزانہ اوسطاً تین (3) افراد کے حساب سے لوگ غائب ہو گئے ہیں۔ ہزاروں کے حساب سے لوگ نکل مکانی کر کے چلے گئے ہیں۔ علاقے میں قائم 12 آرمی چوکیوں پر روزانہ لوگوں کو گھنٹوں بے جا روک کر تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ شریف النفس بلوچ شہریوں کو آرمی کے اہلکار گندی گندی گالیاں، دھمکیاں دے کر ان کے عزت نفس کو مجروح کر رہے ہیں۔ ان ساری کاروائیوں، شہادتوں، محلوں کو جلانے و اغوا کاریوں کے بعد بھی بلوچ عوام کی جزبہ حریت اور آزاد بلوچستان کے لئے انکے قربانی کے غیر معمولی جزبوں کو دیکھ کر یقیناً یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ اب بلوچ کو منزل تک جانے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ ہاں بلوچستان کے وسائل اور جغرافیائی اہمیت کو غصب کرنے اور پنجاب کا مستقبل سنوارنے کے لئے دشمن مجنونانہ حرکتیں ضرور کرے گا۔ لیکن اب اس کے خواب بے معنی اور خواہشات ادھورے ہی رہ جائیں گے۔ کیونکہ اگر مقصد زندگی سے زیادہ عزیز ہو تو کوئی بھی طاقت کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں ہو جائیگی۔ اس بوڑھی ماں کی یہ حوصلہ افزاء باتیں کہ ''یہ جنگ ہے، جنگ تباہی کے بعد ہی آزادی، امن، اور خوشحالی لائیگی'' ہمیشہ قوموں کی رہنمائی کریں گے۔

پنجابی سمجھتا ھے کہ جب تک بلوچ اس سرزمین پر موجود ھے پاکستان محفوظ نہیں رھے گا

شہید چیئرمین سہراب بلوچ کا ٹی وی چینل کو دیا گیا انٹرویو

شہید سھراب بلوچ

بلوچ قومی رہنما شہید سھراب بلوچ بی ایس او (متحدہ) کے مرکزی وائس چیرمین تھے۔شہید سھراب قومی تحریک میں اپنے رہنمانہ صلاحیتوں کے ساتھ ہمیسہ پیش پیش رہے اور شہادت کا مرتبہ حاصل کیا۔ان کی شہادت جنوری 2008 میں دوران کاروائی حادثاتی طور پر بمب کے قبل از وقت پٹنے سے ہوئی اس طرح شہید سھراب نے اپنے اپنی زندگی کے آخری لمحات جدوجہد میں گزارے اور دوران جد جہد ہی شہادت کے عظیم مقام تک پہنچے۔فروری 2000 میں پاکستانی ایجنسیوں نے جسٹس نواز مری کو قتل کر کے ان کے قتل کے جھوٹے مقدمات میں نواب خیر بخش مری سمیت متعدد مری بلوچوں کو گرفتار کیا گیا جن کے ساتھ شہید سھراب بھی گرفتار ہوئے اور دو مہینے جیل میں بند رہنے کے بعد رہا ہوئے۔شہید سہراب بلوچ نے یہ انٹرویو نومبر 2006 کو ایک TV چینل کو دیا تھا۔

میرا نام سہراب بلوچ ہے، میرا تعلق مری قبیلے سے ہے، میں ایک غریب طالب علم تھا ،میرے کسی طرح کے سیاسی تعلقات نہیں تھے،لیکن جب میں نے کالج میں داخلہ لیا تو مجھے احساس ہوا کہ بلوچ ایک قوم ہے،جسکی تاریخ ہے،ثقافت ہے،اُس کے بعد مجھے سیاسی کتابوں اور بی ایس او کے نوجوانوں سے معلوم ہوا کہ بلوچوں پر جبری قبضہ ہوا ہے، اور بلوچ قوم پر اتنے ظلم ہوئے ہیں۔ میں جسٹس نواز مری کے مقدمے میں گرفتار ہوا۔جسٹس نواز مری قبیلے سے تعلق رکھتا تھا، وہ بلوچستان کا چیف جسٹس بننے والا تھا،لیکن اُسے 7 فروری 2000 کو خفیہ اداروں کے اہلکاروں نے کوئٹہ میں قتل کر دیا،لیکن قتل کرنے والے لوگوں کی پالیسی تھی کہ وہ ایک تیر سے دو شکار کریں،تو اس وقت مری قبیلے کے بہت سے افراد کو گرفتار کیا گیا۔160 افراد تھے جن میں میں بھی شامل تھا،کوئٹہ کے نزدیک ایک جگہ ہے جسکا نام نیو کاہان ہے وہاں سے لوگوں کو گرفتار کیا گیا تھا۔انہیں زیادہ تر قلی کیمپ لے جایا گیا جن میں میں بھی شامل تھا جب ہمیں گرفتار کیا گیا تو ہمارے سر پر ماسک چڑھا دیا گیا۔ہم نے کچھ نہیں دیکھا ہمیں کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ ہمارے ہاتھ پاوں بندھے ہوئے تھے،ہم میں بزرگ، بچے، اسکول کے لڑکے شامل تھے۔ایک ہفتے تک ہمارے خاندان والوں کو کچھ پتہ نہ چلا کہ ہم کہاں ہیں۔اس کے بعد آہستہ آہستہ interogation شروع کیا گیا۔۔interogation والے ایسے لوگ تھے کہ ان کے رویوں سے ایسے معلوم ہوتا تھا کہ شاید ہم اس ملک کے باشندے نہیں ہیں اور ہم سے ایسا سلوک اس لئے ہو رہا ہے کہ شاید ہمیں یہاں سے نکالنے کیلئے۔۔یا ہمیں مہاجر بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔۔۔مختلف طریقوں سے ہم پر تشدد کیا گیا۔ ہمارے دوستوں کو کلی کیمپ میں ہمارے سامنے بجلی کے کرنٹ (Electric shock) دیئے گئے۔بعد میں ان پر مختلف طریقوں سے تشدد کیا جاتا رہا۔یہ غیر انسانی رویے تھے۔۔پاکستان خود کو ایک مسلمان ملک کہتا ہے لیکن مسلمانیت سے مبرا ہے۔میں وہاں سمجھ گیا کہ بلوچ قوم کے ساتھ پنجابی کا کتنا بڑا تصادم چل رہا ہے۔پنجابی یہ سمجھتا ہیکہ جب تک بلوچ اس سرزمین پر ہے پاکستان save نہیں ہے۔شاید ان سب کا اصل مقصد یہی ہے۔ہمیں جب گرفتار کیا گیا تو ہم سے پوچھا گیا کہ'' آپ لوگ خود کو بلوچ کیوں کہتے ہو۔تم لوگ انگریزوں کے ساتھ لڑے ہو۔اُسی قبیلے کے ساتھ تمہارا تعلق ہے۔تم لوگ پاکستان کے خلاف ہو'' کچھ مری افغانستان گئے تھے اسی وجہ سے بھی ہم پر تشدد کیا گیا، کہا'' کہ افغانستان کے ساتھ تمھارا تعلق ہے۔افغانستان کیوں گئے ہو تم لوگ؟ تم لوگ anti pakistani ہو''۔تو اسی دن میں سمجھ گیا کہ پنجابی ہمیں معاف نہیں کرے گا۔اس کے بعد ہمیں دو مہینے تک تھانے میں رکھا گیا۔دو مہینے بعد ہمیں لایا گیا ہم 160 بندے تھے۔نواب مری بھی اس الزام میں گرفتار ہوئے تھے۔۔ہمیں ڈسٹرکٹ جیل ہدہ میں رکھا گیا۔ہم پر کوئی کیس نہیں تھا،انہوں نے کہا کہ تم لوگ باہر جا کر پھر جنگ کرو گے۔تم لوگوں کو ناجائز گرفتار کیا ہے اسلیئے تم لوگ اسکا ردِعمل ضرور دکھاؤ گے۔یہی وجہ ہے کہ تم لوگوں کو یہاں

رکھا گیا ہے۔'' آخر کار ہمیں ضمانت پر رہا کیا گیا، جب ہم رہا ہوئے، اسکے بعد احساس ہوا کہ یہ ہمیں معاف نہیں کرینگے۔ اسکے بعد میں نے باقاعدہ سیاست میں حصہ لینا شروع کیا اور بی ایس او کے کونسل سیشن میں گیا۔ کونسل سیشن پنجگور میں ہوا، اور میں بی ایس او کا وائس چیرمین منتخب ہوا۔ میری زیادہ تر یہ کوشش رہی ہے کہ میں بلوچ نوجوانوں کو بتاؤں کہ پنجابی تمہیں معاف نہیں کریگی۔ جو بھی بلوچ تعلیم حاصل کرتا ہے یا کسی اچھے شعبے سے تعلق رکھتا ہے وہ پنجابی کی ٹارگٹ پر ہے۔ اُن کا مقصد یہی ہے کہ ہمیں تعلیمی حوالے سے پسماندہ رکھیں۔ دوسری طرف انہوں نے یہ پروپیگنڈہ پالیسی اپنائی ہوئی ہے کہ سردار تمہیں پڑھنے نہیں دیتے۔ لیکن میں نے محسوس کیا ہے کہ اس میں سرداروں کا کوئی قصور نہیں۔ خاص طور پر نواب مری پر الزام لگاتے ہیں۔ میں نے خود تحقیقات کی ہے کہ جسٹس مری کے قتل میں ایک پنجابی ملوث تھا پنجابی جاوید اقبال چوہدری، جو چیف جسٹس آف بلوچستان رہا ہے۔ نواز مری کے قتل میں اسی کا ہاتھ تھا۔ جو آج سپریم کورٹ تک پہنچ گیا ہے۔ اُسی کیس کے الزام میں سرکار بہت سے مریوں پر ابھی تک تشدد کرتا چلا آرہا ہے، جو ابھی تک ہدہ جیل میں اذیتیں سہہ رہے ہیں۔ لیکن جس بندے نے جسٹس نواز مری کو قتل کیا ہے وہ آج سپریم کورٹ پہنچ گیا ہے۔ میری بلوچ قوم کو یہی تجویز ہے کہ اب ہمیں پنجابی سے چھٹکارا پانا ہے، اور ہمیں اپنی آزادی کیلئے لڑنا ہے۔ کیونکہ بلوچ ایک آزاد ریاست کے مالک تھے۔ خان آف قلات کے ساتھ جبری معاہدہ ہوا۔ اس میں خان قلات کی مرضی شامل نہیں تھی۔ خان کے ساتھ محمد علی جناح نے جبراً معاہدہ کیا تھا اور بلوچ اس معاہدے کے خلاف ہیں۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جتنے بلوچ اذیت سہہ رہے ہیں اور انکے خاندان پریشانی میں مبتلا ہیں ان کا قصور یہی ہے کہ وہ بلوچ وسائل کی جنگ لڑ رہے ہیں۔ بلوچ وسائل کی لوٹ مار کیلئے پنجابی نے قبضہ کیا ہوا ہے۔ گوادر اور مری علاقوں پر بمباری ہورہی ہے۔ پنجابی کا اصل مقصد یہی ہے کہ بلوچ علاقوں کے وسائل کو اپنے ہاتھ میں لے۔ بلوچ نوجوانوں میں اب شعور آچکا ہے کہ وہ اب اپنی آزادی کی جنگ کو آگے لے جائیں اور کسی حالت میں پیچھے نہ رہیں۔ جیسا کہ وقافی وزیر داخلہ خود کہتے ہیں کہ 6000 بلوچ نوجوان ہمارے تحویل میں ہیں یعنی ہم نے انہیں اغوا کیا ہے اور ان میں بہت سے لوگوں کو چھوڑ دیا گیا ہے، تو زیادہ تر پاگل ہو چکے ہیں جن میں نوار مری اب پاگل ہے۔ وہ مکمل paralized ہو چکا ہے۔ جن میں ڈاکٹر اللہ نذر بلوچ کو بھی slow poissining کی گئی تھی۔ جسطرح تشدد کیا گیا۔ وہ جسمانی اور ذہنی حوالے سے مفلوج ہے۔ وہ زندہ لاش ہے۔ اُس کیلئے میں نے خود بھوک ہڑتال کیا ہے کوئٹہ پریس کلب کے سامنے 11 دن تک تادم مرگ بھوک ہڑتال پر بیٹھا رہا اور ہم نے ایک نے ایک کال بھی دی تھی کہ ہم 14 تاریخ کو گورنر ہاوس کا گھیراؤ کریں گے جو پاکستان کی آزادی کا دن ہے اور ہم نے پاکستانی ایجنسیوں کو شکست دی ہے۔ اپنے قومی رہنما کو بازیاب کرایا، جو آج زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ ہم دنیا یعنی UNO اور عالمی عدلتوں سے اپیل کرتے ہیں کہ بلوچ ایک غیرت مند قوم ہے جو اپنی زندگی اور آزادی کی خاطر جنگ لڑ رہا ہے۔ اگر آپ لوگوں کے پاس انصاف ہے تو آپ لوگ مداخلت کریں اگر انصاف نہیں تو مجھے یقین ہے بلوچ اپنی آزادی ضرور حاصل کرے گی۔ جو جنگ بلوچ نے شروع کی ہے اسے لڑنے کے مختلف طریقے ہیں، کوئی قلم کے ذریعے جنگ لڑ رہا ہے کوئی اسلحہ اُٹھا کر جنگ لڑ رہا ہے۔ کسی نہ کسی طریقے سے جدوجہد ضرور ہورہی ہے۔ اور میں یہی عہد کرتا ہوں کہ بلوچ جوان بزرگ سب اس جنگ میں حصہ لینگے۔ نواب اکبر خان بگٹی شہید ہوا۔ اُن کا مقصد بلوچ آزاد ریاست تھا اور یہ کہ بلوچ اپنی آزادی surrender نہیں کرے گا حالانکہ سرکار کی یہی کوشش تھی کہ نواب صاحب back کریں۔ نواب صاحب سے معاہدہ کریں۔ لیکن نواب صاحب نے کہا'' میں surrender نہیں کرونگا کیونکہ یہ بلوچ تاریخ اور بلوچ قوم کا مسئلہ ہے۔ میں ہرگز surrender نہیں کرسکتا''۔ جس نے 80 سال کے عمر میں شہادت پائی۔ اور میں امید کرتا ہوں کہ بلوچ نوجوان نہ صوبائی خودمختاری مانگیں گے اور نہ ہی کسی پارلیمانی کمیٹی کو مانیں گے۔ بلوچ اپنی آزادی کی خاطر ثابت قدم رہیں گے اور آزادی لے کے رہیں گے۔ اور دنیا کے سرمایہ دار طبقے یہ چاہتے ہیں کہ ہم بلوچستان میں آکر مداخلت کریں اور وہ یہی چاہتے ہیں کہ بلوچ کا آزاد ریاست اپنی مرضی اور منشا کے مطابق کسی سے compromise کرے۔ لیکن یہ کوئی نہ سمجھے کہ میں سپر پاور بن کر بلوچ پر دوسری غلامی مسلط کروں گا۔ اور میں یہ قبول کرتا ہوں کہ ہم ایک کم نسل کے غلام ہیں یعنی غلام کے غلام ہیں پنجابی خود ایک غلام ہے۔ لیکن بلوچ 58 سالوں سے غلامی کی زندگی گزار رہی ہے۔ اب بلوچوں نے یہ عہد کیا ہے کہ آزادی کیلئے جنگ ضرور لڑیں گے۔ اور میں یہ اپیل کرتا ہوں کہ دنیا کے تمام بلوچ جاگ اُٹھیں۔ قلم کی جنگ لڑیں۔ انصاف کی جنگ لڑیں کیونکہ اب بلوچ آزاد ریاست کا بننا ضروری ہے۔

تحریک آزادی اور رد انقلابی قوتیں۔۔بی ایس او (آزاد) کی جانب سے جنوری میں جاری کردہ پمفلٹ

ادارہ

تحریک آزادی عظیم منزل کی جانب بڑھ رہی ہے بلوچ جہدکاروں کے قدم قومی آزادی اور قبضہ گیر کے استحصالی شکنجوں سے نجات کی جانب رواں ہیں دشمن بھی اپنے ظلم کی شدت میں اضافہ کرتے ہوئے تحریک آزادی کے خلاف نت نئے حربے آزمانے کیلئے سرگرداں ہے پاکستانی پارلیمنٹ، عدلیہ، میڈیا سمیت تمام سیاسی جماعتیں پاکستانی فوج کے ساتھ مل کر بلوچ قوم کے خلاف ترکیبیں سوچ ہیں۔ جنگ آزادی میں گزشتہ ایک دہائی سے زائد کے تسلسل نے بلوچ سماج کے اندر موجود پاکستانی گماشتہ سیاسی پارٹیوں نیشنل پارٹی، بی این پی مینگل، بی این پی عوامی، جمعیت علمائے اسلام اور جماعت اسلامی کی اسلام اور قوم پرستی کے نام پر دوغلی پالیسیوں اور گماشتگی کو عیاں کر دیا ہے نیشنل پارٹی، بی این پی مینگل وعوامی ایک طرف پاکستانی اسمبلی وسینٹ میں بیٹھ کر بلوچ جدوجہد آزادی کو کچلنے کیلئے سازشیں کر رہی ہیں جبکہ دوسری جانب بلوچ قوم کی ہمدردیاں حاصل کرنے اور اپنی گماشتگی پر مبنی سیاست بچانے کیلئے بلوچ قوم پر ہونے والے مظالم کے خلاف مذمتی بیانات بھی جاری کرتی رہتی ہیں۔ پاکستان دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر طالبان والقاعدہ کی دہشت گردی کا مقابلہ کرنے کے بہانے امریکہ سے لی گئی فنڈز، اسلحہ اور ٹیکنالوجی کو بلوچ جدوجہد آزادی کے خلاف بے دریغ استعمال کر رہا ہے لیکن ان سب کے باوجود پاکستانی فوج کی گرفت بلوچستان پر سے روز بہ روز ڈھیلی پڑتی جارہی ہے۔ پاکستانی فوجی، پولیس اور ایف سی میدان میں شکست خوردگی کا شکار ہو چکی ہے قابض آبادکاروں، مخبروں

اور مقامی دلالوں کے لئے بلوچ سرزمیں تنگ پڑتی جارہی ہے بلوچستان سے پاکستان کے قبضہ گیریت کی علامتیں پاکستانی ترانہ، جھنڈا اور دوسری نشانیاں مٹ چکی ہیں۔

قابض پاکستانی فوج میدان جنگ میں بلوچ سرمچاروں سے بری طرح شکست کھانے کے بعد مشکے، آواران، مکران، اور کوہلو ڈیرہ بگٹی سمیت بلوچستان کے مختلف علاقوں میں معصوم اور نہتے بلوچ خواتین، بچوں، بوڑھوں کو گرفتار کرنے کے بعد تشدد کر کے ان کی لاشیں پھینک رہا ہے گھروں پر حملہ آور ہو کر انہیں لوٹا اور جلایا جارہا ہے۔ پاکستانی فوج، عدلیہ اور پارلیمنٹ بلوچ کے خلاف اعلان جنگ کر چکے ہیں پاکستانی میڈیا نے بلوچوں پر ہونے والے مظالم سے اپنی آنکھیں موند لی ہیں نام نہاد سول سوسائٹی اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو پاکستانی دہشتگردی کے شکار ہزاروں معصوم بلوچ بچے نظر نہیں آتے۔ پاکستانی فوج، گماشتہ پارٹیوں، سرداروں، سمگلروں اور ڈیتھ اسکواڈز کی شکل میں پاکستان کے زرخرید کارندے جدوجہد آزادی کو کمزور کرنے کے لئے اپنے قبضہ گیر ادارہ پارلیمنٹ کو بلوچ قوم پر مسلط کرنے کا فیصلہ کر چکی ہیں لیکن تحریک آزادی سے عوام کی سچی وابستگی نے انہیں شکست کا احساس دلا دیا ہے اور ان کے حربے ایک ایک کر کے ناکامی کا شکار ہو رہے ہیں اس لیئے اب اپنے ان استحصالی عزائم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کیلئے وہ بلوچستان بھر میں اپنی درندگی اور وحشت کا آغاز کر چکی ہیں جس کا اظہار مشکے میں پاکستان کی بمباری سے ہو چکا ہے۔ لیکن پاکستانی ظلم وجبر کے خاتمے کیلئے بلوچ قوم کے سپوت اپنے سروں پر

کفن باندھ کر قبضہ گیر پاکستانی فوج اور ان کے کارندوں کو شکست دینے کیلئے اپنی جان کی بازی لگا رہے ہیں۔

غیور بلوچ عوام!

تحریک آزادی سے عوام کی سچی وابستگی ہی تحریک کی کامیابی کی نوید ہے۔۔۔

پاکستان کے حربوں کا مقابلہ تب ہی ممکن ہو سکتی ہے جب عوام آزادی کے جزبے سے سرشار اور قبضہ گیر کے عزائم وحربوں سے آگاہ ہو کر آزادی کیلئے میدان عمل میں برسرپیکار ہوں۔ پاکستان کی قبضہ گیریت کا وجود اس کی پارلیمنٹ سے وابستہ ہے پاکستانی پارلیمنٹ پرستوں کی سیاست اور ووٹ والیکشن سے انکار کر کے پاکستانی کے وجود کو پنپنے کا موقع نہ دیں۔ پاکستانی گماشتہ سیاستدان بلوچوں کے بھیس میں ہماری غلامی کو مضبوط کر رہے ہیں انہیں بے نقاب کر کے ان کا خاتمہ کر دیں۔ پاکستان کی جانب سے تحریک آزادی، آزادی پسند جماعتوں اور رہنماوں کے خلاف پروپیگنڈوں کو ناکام بنا کر تحریک آزادی کو مزید منظم ومضبوط کریں۔

LONG LIVE BALOCH FREEDOM FIGHTERS

بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن (آزاد)

آئینہ حقائق

چیدہ چیدہ حالات، واقعات اور خبروں پر آزاد کا ماہانہ تجزیہ

یارجان بلوچ

جنوری میں نئے سال کے آغاز کے ساتھ ساتھ بلوچستان بھر میں گزشتہ سے جاری پاکستانی جارحیت اور پاکستان کے قابض حربوں میں مزید شدت آئی اور بلوچ فرزندوں کے شہادت کا سلسلہ جاری رہا۔ مہینے کا آغاز مشکے میں پاکستانی فوجی آپریشن کے تسلسل کے ساتھ ہوا جس کے ساتھ ساتھ مستونگ، بیسیمہ اور منگوچر میں پاکستانی فوج نے گھروں کو نشانہ بنا کر بلوچ فرزندوں کو شہید کیا جبکہ جنوری کے مہینے میں پاکستانی پارلیمانی انتخابات کی تیاری بھی بر پور انداز میں جاری رہے جس کیلئے پاکستانی گماشتہ پارٹیاں انتخابی گٹھ جوڑ اور تحریک آزادی کے خلاف سازشوں میں مصروف رہی۔

دسمبر 2012 کے آواخر میں پاکستانی فوج نے مشکے اور آواران میں فوجی آپریشن کا آغاز کر دیا تھا جس کے دوران مشکے میں گھروں کو بمباری کا نشانہ بنایا گیا اور متعدد بلوچوں کو شہید و زخمی کر دیا گیا۔ جنوری کے شروع میں آپریشن اور پاکستانی جارحیت کی شدت میں کسی حد تک کمی لائی گئی جبکہ مشکے کے تمام علاقوں میں پاکستانی فورسز نے چیک فوسٹس قائم کر کے مشکے کو مکمل طور پر اپنے حصار میں لیا ہوا ہے۔ جس کے ساتھ ساتھ پاکستانی فورسز مشکے کے مختلف علاقوں میں وقفے وقفے کے ساتھ اپنی دہشتگردی جاری رکھے ہوئے ہیں۔ 8 جنوری کو مشکے میں کاروائی کر کے اشرف بلوچ ان کے بیٹھے شریف بلوچ اور ان کے ساتھ خدا بخش بلوچ کو اغوا کیا گیا جبکہ اس سے چند روز قبل مشکے کے علاقے نوک جو اور گردونواح میں پاکستانی فوج نے متعدد مقامات پر جنگلات کو آگ لگا دی ہے جس سے مختلف مکامات پر جنگلات خاکستر ہو چکے ہیں۔ ان واقعات کے چند روز بعد مشکے کے علاقے کنڈڑی میں پاکستانی فورسز نے الاصبح آبادی کو نشانہ بناتے ہوئے گھروں دکانوں اور باڑوں کو نزر آتش کر دیا جس سے مویشیوں اور دیگر ملاک کو شدید نقصان پہنچا۔

مشکے میں بڑے پہمانے پر فوجی کاروائی ایک نئے تسلسل کا آغاز تھا جو کہ جنوری میں پیش آنے والے واقعات کے ساتھ واضع ہوتی گئی جہاں ایک طرف سیاسی میدان میں پاکستان اپنے قبضہ گیر حربے آزماتے ہوئے صوبائی اسمبلی اور ریاسانی حکومت کے نام پر جاری تماشے میں ردوبدل کرتے ہوئے سیاسی ہلچل کا ماحول بنا کر اپنے گماشتہ پارٹیوں کو سامنے لا رہا ہے جن کیلئے ماحول بنا کر انہیں الیکشن کا راستہ ہموار کرنے کا ٹاسک دیا گیا ہے جو کہ سیاسی میدان میں توجہ پاکستانی فوج کی دہشتگردانہ کاروائیوں سے ہٹاتے ہوئے الیکشن اور حکومت کے تبدیلی پر توجہ مرکوز رکھے ہوئے ہیں جبکہ دوسری جانب پاکستانی فورسز ان گماشتہ قوتوں کی مدد سے بلوچستان بھر میں آزادی پسند عوام کو ٹارگٹ بنا رہے ہیں تا کہ وہ الیکشن سے قبل ہی بلوچ علاقوں میں اپنے گماشتوں کیلئے راستہ ہموار کرے جو کہ پاکستان کی گماشتگی کرنے کی وجہ سے بلوچ عوام میں اپنی مقبولیت کھو چکے ہیں۔

بلوچستان میں اپنی قبضہ گیریت کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے پاکستان متعدد اندرونی اور بہرونی تضادات میں گھرا ہوا ہے جو کہ شدید ہوتے جا رہے ہیں اور حالیہ مہینے میں بھی یہ تضادات نمایا ہو کر سامنے آتی رہی ہیں پاکستان جہاں اندرونی سیاست میں انتشار کا شکار رہا ہے وہی پاکستان کو ہندستانی سرحدوں پر بھی تنازعات کا شکار ہونا پڑا جبکہ امریکی امداد کے حصول اور چین اور ایران کے ساتھ پاکستان معاشی سرگرمیوں کو تیز کرنے کیلئے بھی کوشاں ہے۔

بلوچستان میں اپنی قبضہ گیریت کے سلسلے کو جاری رکھتے ہوئے پاکستان متعدد اندرونی اور بہرونی تضادات میں گھرا ہوا ہے جو کہ شدید ہوتے جا رہے ہیں اور حالیہ مہینے میں بھی یہ تضادات نمایا ہو کر سامنے آتی رہی ہیں پاکستان جہاں اندرونی سیاست میں انتشار کا شکار رہا ہے وہی پاکستان کو ہندستانی سرحدوں پر بھی تنازعات کا شکار ہونا پڑا جبکہ امریکی امداد کے حصول اور چین اور ایران کے ساتھ پاکستان معاشی سرگرمیوں کو تیز کرنے کیلئے بھی کوشاں ہے۔

تنازعات کا شکار ہونا پڑا جبکہ امریکی امداد کے حصول اور چین اور ایران کے ساتھ پاکستان معاشی سرگرمیوں کو تیز کرنے کیلئے بھی کوشاں ہے۔

بین الاقوامی حالات میں نرمی اور امریکی امداد کی حصول اور چین اور ایران کی جانب سے کاروبار کے سلسلے کا آغاز سمیت پاکستان کیلئے پیدا ہونے والے متعدد مواقف حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان نے اپنی توجع کسی حد تک بہرونی مسائل کی نسبت اندرونی چیلنجز کی جانب موڑ دیا ہے جن میں بلوچستان کا مسئلہ سب سے اہم ہے جسے باقائدہ حکمت عملی سے میڈیا میں آنے سے روکھا جارہا ہے جس کی وجہ سے بلوچستان میں پاکستان کو درپیش ناکامی واضع نہیں ہو پارہی بلکہ پاکستان اندرونی خطرات کے نام پر دہشتگردی اور طالبانائزیشن جیسے خود ساختہ مسائل کا نام لیکر اپنے عوام اور دنیا کو گمراہ کررہا ہے لیکن درحقیقت پاکستان کا سب سے بڑا مسلہ بلوچستان ہے جس پر گزشتہ 6 دہائیوں سے جاری قبضہ کا تسلسل اب ٹھوٹ چکا ہے ۔ بلوچستان پاکستان کی عملداری سے باہر نکل چکا ہے جسے روکھنے کیلئے اور اپنے قبضہ کو دوبارہ مضبوط کرنے کیلئے پاکستان اپنی تمام تر فوجی قوت اور اپنا سرمایہ استعما ل کرنے کی کوشش کررہا ہے جس کیلئے پاکستان اندرونی اور بہرونی سطع پر اہم پیشرفتوں کی جانب کو بڑھ رہا ہے۔

اسی تناظر میں پاکستانی فوج نے اپنے پالیسیوں میں بنیادی تبدیلیوں کا اعلان

بین الاقوامی حالات میں نرمی اور امریکی امداد کی حصول اور چین اور ایران کی جانب سے کاروبار کے سلسلے کا آغاز سمیت پاکستان کیلئے پیدا ہونے والے متعدد مواقف حالات کو دیکھتے ہوئے پاکستان نے اپنی توجع کسی حد تک بہرونی مسائل کی نسبت اندرونی چیلنجز کی جانب موڑ دیا ہے جن میں بلوچستان کا مسئلہ سب سے اہم ہے جسے باقائدہ حکمت عملی سے میڈیا میں آنے سے روکھا جارہا ہے جس کی وجہ سے بلوچستان میں پاکستان کو درپیش ناکامی واضع نہیں ہو پارہی بلکہ پاکستان اندرونی خطرات کے نام پر دہشتگردی اور طالبانائزیشن جیسے خود ساختہ مسائل کا نام لیکر اپنے عوام اور دنیا کو گمراہ کررہا ہے لیکن درحقیقت پاکستان کا سب سے بڑا مسلہ بلوچستان ہے جس پر گزشتہ 6 دہائیوں سے جاری قبضہ کا تسلسل اب ٹھوٹ چکا ہے۔ بلوچستان پاکستان کی عملداری سے باہر نکل چکا ہے جسے روکھنے کیلئے اور اپنے قبضہ کو دوبارہ مضبوط کرنے کیلئے پاکستان اپنی تمام تر فوجی قوت اور اپنا سرمایہ استعمال کرنے کی کوشش کررہا ہے جس کیلئے پاکستان اندرونی اور بہرونی سطع پر اہم پیشرفتوں کی جانب کو بڑھ رہا ہے۔

کرتے ہوئے اندرونی خطرات کو اپنی پہلی ترجیح قرار دیا ہے ۔ جس سے ایک طویل عرصے کے بعد ایک بنیادی تبدیلی کی صورت میں دیکھا گیا ہے کیونکہ اب تک پاکستان نے ہندستان کو اپنی پہلی دفاعی ترجیح قرار دیتے ہوئے اپنا دفاعی میکینزم تشکیل دیا ہے جس کی بنیاد پر پاکستان کے بجٹ کا کثیر حصہ فوج کے ہاتھوں میں جاتا رہا ہے جب کہ اب پاکستان کو بلوچستان میں تحریک آزادی کی شکل میں ایک حقیقی خطرے کا سامنہ ہوا ہے۔ جس سے اب پاکستان اپنی تمام توانائیاں اور اپنے فوجی وسائل بلوچ تحریک کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے جس کیلئے پاکستان نے اپنے دفاعی پالیسی میں بنیادی تبدیلیاں کی ہیں جن سے ان کی وسائل اور فوجی قوت سب بلوچ قوم کی نسل کشی میں استعمال ہوسکیں ۔لیکن پاکستان کے ان کوششوں کے باجود پاکستان کامیاب انداز میں اپنے تضادات پر قابوں نہیں پاسکتا جس کی وجہ سے پاکستان کے حربوں کو مسلسل ناکامی کا سامنہ ہے۔ پاکستان کی اپنے دفاعی پالیسی کے تبدیلی کے اعلان کے چندروز بعد ہی پاکستان اور بھارت کے درمیان لائن آف کنٹرول پر کشیدگی تیز ہوگئی جس سے ان کے درمیان تناو ایک مرتبہ پھر کھل کر سامنے آیا اور پاکستان کی جانب سے اپنے تمام توجہ تحریک آزادی پر مرکوز کرنے کے خواب کو ایک دھچکا لگا ہے۔

جنوری کے مہینے میں ہزارہ قتل عام ایک نئی شکل اختیار کرگئی اور منظّم انداز میں ہزارہ برادری کو نشانہ بنا کر بلوچستان میں سیاسی تبدیلیوں کیلئے راہ ہموار کی گئی جس کیلئے درندگی کی مثال قائم کی گئی۔ پاکستان کی درندہ صفت ریاست انسانیت کے تمام اقدار سے عاری ہے اور انسانی کشی جیسے پاکستان کیلئے کاروبار بن چکی ہے جبکہ پاکستان اپنے مفادات حاصل کرنے کیلئے کئی بھی انسانی قتل عام سے دریغ نہیں کرتا۔ اپنے قیام سے لیکر آج تک بے گنا انسانوں کا قتل عام کرکے پاکستان نے اپنے وجود کو برقرار رکھا ہوا ہے۔ بنگلادیش میں پاکستان نے لاکھوں افراد کا قتل عام کیا جبکہ افغانستان میں مظلوموں کے قتل عام کے نہ ختم ہونے والے سلسلے کو ہوا دیکر پاکستان تاحال کمائی کررہا ہے۔ اسی روش کو جاری رکھتے ہوئے بلوچ قومی تحریک

کو کاونٹر کرنے کیلئے پاکستان ہزارہ کمیونٹی کا قتل عام کررہا ہے جس کیلئے پاکستانی فوج اور ایجنسیاں برائے راست مذہب کے نام پر لوگوں کو ہزارہ برادری کے لوگوں کا قتل عام کررہے ہیں جس کے بنیاد پر تحریک آزادی کو کاونٹر کرنے کیلئے میدان ہموار کی جارہی ہے۔ جہاں ایک طرف بلوچ قوم کی نسل کشی کرتے ہوئے ہزارہ برادری کے افراد کا ایک ساتھ اور بڑی تعداد میں قتل کر کے بلوچستان میں قومی مسلہ اور پاکستان کی جانب سے پہلائی گئی فرقہ واریت میں ابہام پیدا کر کے بلوچستان کی جانب متوجہ ہونے والے آنکھوں میں دھول جھونک رہا ہے اور دنیا کے میڈیا اور انسانی حقوق کے اداروں کی جانب سے اعداد وشمار کو بے اثر کررہی ہیں۔ جبکہ دوسری جانب پاکستانی میڈیا کے زریعے ہزارہ کو قتل کرنے کے بعد پروپگنڈا کر کے سیاسی سطح پر تبدیلیاں کر کے اور بلوچستان میں امن وامان کے نام پر بلوچ تحریک کو کاونٹر کیا جارہا ہے جبکہ سیاسی میدان میں ہلچل پیدا کر کے اور لیکشن کے قریب آنے کے ساتھ ساتھ گماشتہ پارلیمانی پارٹیوں کیلئے بھی راستہ ہموار کیا جارہا ہے وہ اس پوری سیاسی ہلچل سے فائدہ اٹھاتے ہوئے جہاں ایک طرف فوج کو آزادی پسندوں کے خلاف کاروئیوں کیلئے مدد فرائم کررہے ہیں جبکہ دوسری جانب الیکشن کو ممکن بنانے کیلئے راہموار کرہے ہیں اور اس سیاسی ہلچل میں اپنے لیئے میدان بنا رہے ہیں تا کہ آئندہ پاکستانی ایجنسیاں ان کا انتخاب کر کے انہیں مراعات سے نوازیں تا کہ وہ بلوچ عوام کے خلاف جاری قتل عام اور نسل کشی کو تیز کرنے میں زیادہ موثر ہوسکیں۔

گورنر راج کے نفاظ کے ساتھ ہی سب سے پہلے بلوچ آزادی پسندوں کو دھمکی اور لالچ دینے کے اپنے پرانے حربے کو آزمایا گیا اور بلوچ سرمچاروں کو جہاں ایک طرف ڈرا دھمکا کر تحریک سے الگ ہونے کا کہا گیا تو دوسری جانب تحریک سے الگ ہونے کی صورت میں 10 ہزار روپے معازہ کا اعلان کیا گیا جس کے ساتھ ساتھ بلوچستان بھر میں آبادیوں پر آپریشن کا آگاز کر دیا گیا جس کے تسلسل میں مستنگ، بیسیمہ اور منگوچر میں آبادی کو نشانہ بنا کر بلوچ فرزندوں کو شہید کیا گیا۔

18 جنوری کو مستونگ کے علاقے کلی پیر کانو میں رشید شہوانی کے گھر پر ایف سی نے چھاپہ مار کر بلوچ فرزندوں کو شہید کر دیا اس دوران رشید بلوچ اور شاجہان بلوچ کو شہید جبکہ نصار شہوانی کو زخمی کر کے گرفتار کیا گیا اس دوران ایک بچہ فدا شہوانی اور 2 خواتین زخمی ہوگئے۔

21 جنوری کو بیسیمہ بازار میں قاسم ولد رمضان کے گھر کو پاکستانی فورسز نے گیرے میں لیکر سرچ آپریشن کے نام پر کاروائی شروع کیا اس دوران باری ہتھیاروں اور راکٹوں سے گھر کو نشانہ بنایا جس سے گھر میں موجود بلوچ قاسم بلوچ ولد محمد رمضان اور ریحانہ بلوچ ولد عبدالخالق شہید ہوگئے۔

31 جنوری کو منگوچر میں خلق مجید شہید میں ایف سی نے سرچ آپریشن کے نام پر علاقے کو گیرے میں لیتے ہوئے آبادی پر حملہ کر کے بلوچ فرزند یونس بلوچ کو شہید کر دیا جبکہ کفایت بلوچ، اسد بلوچ، مسعود بلوچ اور رب نواز بلوچ کو فورسز گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے۔

فوجی کاروائیوں کے تسلسل کے ساتھ بلوچستان میں الیکشن کے قریب آنے کے ساتھ ساتھ گماشتہ نیشنل پارٹی بی این پی مینگل اور بی این پی عوامی کی الیکشن تیاریوں اور جھوڑ توڑ میں تیزی آچکی ہے۔ جس کیلئے دسمبر کے اختتام پر سردار عطاللہ جام یوسف سے ملاقات ہوئی جبکہ سردار اختر مینگل کی جانب سے بلوچستان میں واپس آکر الیکشن میں حصہ لینے کا واضع ہندیا بھی دیا گیا جبکہ بی این پی بھرپور انداز میں الیکشن کی تیاریاں جاری رکھے ہوئے ہیں جس کیلئے نیشنل پارٹی اور بی این پی الائنس کی جانب گامزن ہے۔ پاکستان گماشتہ پارٹیاں اکھٹے ہوکر تحریک آزادی کو کاونٹر کرنے کیلئے اپنی تمام توانائی صرف کررہی ہیں۔ اسی تسلسل میں کوئٹہ میں آل پارٹیز کانفرنس کیا گیا جس میں بی این پی، این پی سمیت، نصیر مینگل، اور دیگر تمات پاکستانی جماعتوں نے شرکت کی جس کے اختتام پر اعلامہ جاری کیا گیا جس میں الیکشن سمیت بلوچستان میں امن وامن کے نام پر تحریک آزادی کو کاونٹر کرنے کیلئے لاءعمل تشکیل دیا گیا۔ جبکہ نصیر مینگل جن کی سربرائی میں بلوچستان میں ڈیتھ اسکوڈز بلوچ فرزندوں کا قتل عام کررہے ہین اور بی این پی مینگل جن کے سربرا ہمیشہ نصیر مینگل کو اپنا قبائلی دشمن اور اپنے پارٹی کے لوگوں کا قاتل قرار دیتے ہیں لیکن الیکشن اور مراعات کی حصول اور تحریک آزادی کو کمزور کرنے کیلئے اکھٹے ہوکر پاکستان بچانے کی کوششوں میں مصروف ہیں۔

جنوری میں بی ایس او(آزاد) اور بی این ایف کے اخباری بیانات

ادارہ

تاریخ:2 جنوری 2012

جام یوسف اور عطا اللہ مینگل کی ملاقات کو خاندانی رشتوں کے آڑ میں نہیں چھپایا جاسکتا۔ بی ایس او(آزاد)

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ جام یوسف اور عطا اللہ مینگل کی ملاقات کو خاندانی رشتوں کے آڈھ میں نہیں چھپایا جاسکتا شہید اکبر بگٹی کی شہادت کو 6 سال ہو چکے ہیں اس وقت ان کی خاندانی رشتے داریاں غائب تھیں اور اب جب کہ پاکستانی پارلیمانی الیکشن قریب آچکے ہیں اور پاکستانی پارلیمانی جماعتیں سیاسی جوڑ توڑ میں مشغول ہیں تو ان کے تمام خاندانی رشتے دوبارہ زندہ ہورہے ہیں درحقیقت یہ پارلیمانی سیاست کرنے والے سیاستدانوں کا پرانہ حربہ رہا ہے کہ وہ خاندانی رشتوں کے نام پر عوام کو اندیرے میں رکھ کر سیٹوں اور کرسی کیلئے ساز باز کرتے رہتے ہیں عطا اللہ مینگل، اختر مینگل اور بی این پی کی قیادت کی پاکستان کے ساتھ وفاداری اور قوم پرستی کے لبادے میں بلوچستان میں پاکستانی قبضہ گیروں کو مضبوط کرنے کیلئے ان کے کردار کو خود ان کے پاکستانی دوستوں نے ہی بے نقاب کیا ہے بی این پی کی نواز شریف کے ساتھ روابط اور ان کے حقیقی ارادوں اور ایجنڈے کو مسلم لیگ نواز کے جناب روف طاہر نے 15 دسمبر کے روز نامہ جنگ میں اپنے آرٹیکل بعنوان ''لاہور میں بلوچستان کی پکار'' میں واضع انداز میں بیان کیا ہے جس کے بعد ان کے گماشتہ کردار اور بلوچ قوم پرستی کے لبادے میں ان کی پاکستانی کردار کے بارے میں بلوچ عوام میں کسی قسم کے شکوک وشبات باقی نہیں رہتے بی این پی اور عطا اللہ مینگل کو بلوچ قوم کے سامنے بے نقاب ہوتے دیکھ کر بی این پی مینگل دامن بچاتے ہوئے اس عمل کو سرکاری زبان بولنا کہ رہی ہے جبکہ بلوچ قوم کے سامنے ان کی سیاسی تاریخ کی گواہ ہے کہ بلوچستان میں پاکستانی قبضہ گیریت کے جھڑیں مضبوط کرنے اور پاکستان کو بلوچ قوم کی نسل کشی کرنے کے قابل بنانے میں بی این پی مینگل اور ان کی حالیہ قیادت اور سردار عطاللہ مینگل کا کتنا کردار ہے سردار عطا اللہ مینگل بلوچ قوم کے سامنے دوہری سیاست کر کے بلوچ قوم پر پاکستانی قبضہ گیریت اور اس کے خلاف بلوچ عوام کی جدوجہد اور قربانیوں کو استعمال کر کے بلوچ عوام کی عمدردیاں حاصل کرنے ک اور خود کو بلوچ قوم کا رہنما ثابت کرنے کی کوششوں میں رہے ہیں لیکن درحقیقت ان کا ایجنڈہ اور ان کے مفادات ہمیشہ سے پاکستان کی بقا اور بلوچستان میں پاکستانی کی قبضہ گیریت کے مضبوطی سے رہے ہیں اس لیئے انہوں نے ہمیشہ ایہی کوششیں کی کہ بلوچ قوم کی آزادی کے نظریہ پر وابستگی کمزور ہو اور بلوچستان میں پاکستانی قبضہ مضبوط ہو اب جبکہ بلوچ عوام کے سامنے ان کی حقیقت واضع ہو چکی ہے اس لیئے وہ یہ شکایتیں کرتے پرتے ہیں کہ نوجوان ان کی بات نہیں مانتے اور ان پر تنقید کی جاتی ہے اور غدار قرار دیا جاتا ہے بی این پی کے اس بیان کو سختی سے رد کرتے ہیں کہ آزادی پسندوں کی جانب سے ان پر تنقید کیا جاتا ہے بی این پی اور سردار عطا اللہ پر تنقید کرنیکی ضرورت ہی نہیں ہے بلکہ بلوچ عوام کے سامنے ان جیسے عناصر بے نقاب ہورہے ہیں تو بی این پی مینگل اسے تنقید کا نام دیکر دامن بچانا چاہتا ہے لیکن یہ تنقید نہیں بلکہ ان کی حقیقت ہے جو کہ اب تک وہ قوم پرستی کے نام پر بلوچ عوام کی عمدردیاں حاصل کرنے کیلئے چھپائے ہوئے تھے بلوچ قوم پاکستانی قبضہ گیریت اور پاکستان کے قضہ گیر اداروں کے خلاف جدوجہد میں مصروف ہے تحریک آزادی کا مقصد بلوچ سرزمین کی آزادی اور بلوچستان پر پاکستانی قبضہ کا خاتمہ ہے نہ کہ پارلیمانی سیاست کی شکل فروعی مفادات اور مراعات کے حصول کیلئے حقوق اور قوم پرستی کے نعروں کے شکل میں عوامی ہمدردیاں حاصل کرنا اس لیئے پاکستانی اداروں سے وابستہ سیاستدانوں اور پاکستانی سیاست پر تنقید کرنا آزادی پسندوں کا شیوا نہیں بلکہ آزادی کی تحریک کے خلاف سرگرم اور بلوچ قومی نسل کشی کے مرتکب پاکستانی قبضہ گیر اداروں کو مضبوط کرنے والوں کو ہر صورت بے نقاب کیا جائیگا اور ان کی حقیقی شکل جو کہ اب بلوچ قوم کے سانے ہے اسے مزید واضع کیا جائیگا قوم پرستی کے نام پر پاکستانی گماشتہ سیاستدان بلوچ عوام کے درمیان رہ کر قوم پرستی کے نام پر بلوچ تحریک آزادی کو شبوتاژ کرنے کی کوشش کررہے ہیں اور تحریک آزادی کے خلاف پاکستانی پارلیمنٹ کی شکل میں پاکستان کے قبضہ کو بلوچستان میں مضبوط کررہے ہیں۔

☆☆☆

تاریخ:9جنوری2013

مشکے میں پاکستانی فوج کی جانب سے دھشتگردانہ کاروائیاں تاحال جاری ھے ۔

بی ایس او (آزاد)

کوئٹہ(پ ر)بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ مشکے میں پاکستانی فوج کی جانب سے دہشتگردانہ کاروائیاں تاحال جاری ہے جس میں گزشتہ روز ایف سی کی 21 گاڑیوں نے مشکے میں کاروائی کر کے اشرف بلوچ ان کے بیٹے شریف بلوچ اوران کے ساتھ خدابخش بلوچ کو اغوا کیا خدابخش بلوچ کو بعد میں رہا کر دیا گیا جبکہ اشرف بلوچ اور شریف بلوچ تاحال ایف سی کے حراست میں ہیں جبکہ مشکے نوک جو اور گردونواح میں پاکستانی فوج جنگلات کو وسیع پیمانے پر آگ لگا کر تبا کر رہا ہے۔ پاکستان بلوچ عوام کو نشانہ بنا کر ان میں آزادی کے نظریہ کو ختم کرنے کیلئے بلوچستان بھر میں اپنی دہشتگردانہ کاروائیاں جاری رکھے ہوئے ہے مشکے میں حالیہ آپریشن میں جو کہ تاحال جاری ہے اب تک فورسز علاقوں میں موجود ہیں اور مسلسل بلوچ عوام اوران کے املاک کو نشانہ بنا رہے ہیں مشکے میں پاکستانی حالیہ دہشتگردانہ کاروئیوں کے آغاز میں آبادیوں پر بمباری اور معصوم بلوچ بزرگ عورتوں اور بچوں کو نشانہ بنانے کے بعد سے پاکستانی فورسز علاقے میں باری تعداد میں موجود ہیں اور روزانہ عوام کو دہشتگردانہ کاروائیوں کا نشانہ بنا رہے ہیں گزشتہ روز اشرف بلوچ ،شریف بلوچ اور خدابخش بلوچ کو اغوا کیا گیا جبکہ اس سے چند روز قبل مشکے میں مختلف علاقوں میں عام بلوچوں کے گھر اور املاک کو نظر آتش کر دیا گیا جبکہ جنگلات کو وسیع پیمانے پر تبا کیا جا رہا ہے۔ پاکستانی فوج نے مشکے میں نوک جو اور گردونواح کے علاقوں میں متعدد مقامات پر جنگلات کو آگ لگا دی ہے جس سے اب تک مختلف مکامات پر جنگلات خاکستر ہو چکے ہیں۔

ترجمان نے مزید کہا کہ بلوچستان میں پاکستانی فوج اپنے ریاستی اداروں کے ساتھ مل کر اپنے رٹ کو بحال کرنے کی کوششیں کر رہا ہے جس کے لیئے اب تک بلوچستان کے مختلف علاقوں کو پاکستانی فوج اپنی دہشتگردی کا نشانہ بنا چکا ہے جہاں معصوم بلوچوں کو شہید کیا جا رہا ہے جبکہ پاکستانی ادارے بلوچستان میں پاکستانی فوج کی دہشتگردیوں کو چھپانے کیلئے کمیٹیوں اور سیاسی ڈرامہ بازیاں کر کے اپنی میڈیا کے زریعے بلوچستان میں پاکستانی دہشتگردانہ کاروائیوں سے دنیا کی توجہ ہٹانے کی کوششیں کر رہے ہیں جبکہ بلوچستان میں تحریک آزادی کی کامیابیاں پاکستان کی نظام کو مفلوج کر چکی ہیں پاکستان اپنے الیکشن کو ممکن بنانے کیلئے روبروز اپنی قبضہ گیر پالیسیوں میں شدت لا رہا ہے جبکہ بلوچوں کو لاپتہ کرنے اور شہید کرنے کا تسلسل جاری رکھتے ہوئے اپنے کمیٹیوں کے زریعے فوج اور خفیہ اداروں کے کردار کو دنیا سے چھپان نے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ عالمی برادری اور انسانی حقوق کی تنظیموں کو گمراہ کر کے ان سے امداد لے کر بلوچ قوم کی نسل کشی جاری رکھیں لیکن بلوچ قوم آزادی کی تحریک کو منزل تک لیجانے کا مضبوط عزم رکھتی ہے شہدا کی قربانیواں اور ہزاروں بلوچ اسیران اور جہدکاروں کی جدوجہد نے انہیں یہ عزم دیا ہے جو کہ ظلم و جبر اور دہشتگردانہ کاروائیوں سے کمزور نہیں ہوگا۔

☆☆☆

تاریخ:15 جنوری2013

پاکستانی فورسز بلوچستان میں اپنی دھشتگردانہ کاروائیوں کو تیز کر چکی ھے بی ایس او آزاد

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ مشکے میں پاکستانی دہشتگردی جاری ہے گزشتہ روز مشکے سے اشرف ولد قاسم بلوچ کو پاکستانی فورسز گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے ہیں جو کہ تا حال فورسز کی حراست میں ہے پاکستانی فورسز مشکے میں باری تعداد میں موجود ہیں اور تمام اہم راستوں پر فورسز نے چیک پوسٹ قائم کیئے ہوئے ہیں جن کی وجہ سے علاقے میں لوگوں کی نقل وعمل شدید متاثر ہو چکی ہے ہر آنے جانے والے گاڑیوں کو روک کر انہیں تنگ کیا جاتا ہے مشکے کو خضدار سے ملانے والی راستوں پر فورسز نے نئے چیک پوسٹ قائم کیئے ہوئے ہیں۔

پاکستانی فورسز بلوچستان میں اپنی دہشتگردانہ کاروائیوں کو تیز کر چکی ہے اور بلوچ نسل کشی کیلئے مشکے آواران، مکران سمیت بلوچستان بھر میں شدید کاروائیوں کی تیاریاں کر چکے ہیں مشکے میں پاکستانی فوج بمباری سے اپنی درندگی کا مظاہرہ کر چکی ہے جبکہ بلوچ قومی تحریک آزادی کو کمزور کرنے کیلئے بلوچستان میں گورنر راج اور فوج کی تعیناتی کا ڈرامہ رچایا جارہا ہے جبکہ بلوچستان پاکستانی قبضہ کے روز سے ہی پاکستانی قبضہ گیر فوج کے زیر انتظام ہے جبکہ صوبائی اسمبلی کے نام پر فورسز اپنے دہشتگردانہ کاروائیوں کو چھپاتے آرہے ہیں جس میں پاکستان کے گماشتہ سیاسی پارٹیاں نیشنل پارٹی، بی این پی مینگل، بی این پی عوامی سمیت پاکستانی گماشتہ سیاسی پارٹیاں شامل رہی ہیں تحریک آزادی کو کاونٹر کرنے کیلئے پاکستانی فوج بلوچستان میں اپنی دہشتگردانہ کاروائیوں کو وسیع کرنے اور ان کو چھپانے کیلئے جواز پیدا کر رہا ہے جس کے لئے بلوچستان میں گورنر راج کا ڈرامہ رچایا گیا ہے۔

☆☆☆

تاریخ:18 جنوری2012

بلوچ فرزندوں کے شھادت کے خلاف بلوچ نیشنل فرنٹ کی جانب سے بلوچستان بھر 19 جنوری بروز ھفتہ کو ھڑتال کی جائیگی۔ بی ایس او (آزاد)

کوئٹہ (پ ر) مستونگ میں پاکستانی فوج کی یلغار اور بلوچ فرزندوں کے شہادت کے خلاف بلوچ نیشنل فرنٹ کی جانب سے بلوچستان بھر 19 جنوری بروز ہفتہ کو ہڑتال کی جائیگی بلوچ نیشنل فرنٹ کے ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ بلوچستان بھر میں پاکستان کی دہشتگردی جاری ہے مستونگ کلی پیر کانوں میں پاکستانی فوج نے سرچ آپریشن کرتے ہوئے عورتوں اور بچوں کو تشدد کا نشانہ بنایا اور اپنے دہشتگردانہ کاروائی کے دوران بلوچ فرندوں رشید بلوچ شاہجہان بلوچ کو شہید جبکہ صدام بلوچ کو زخمی کر دیا مستونگ پیر کانو میں رشید شہوانی کے گھر پر ایف سی نے چھاپہ مار کر بلوچ فرزندوں کو شہید کر دیا جمعہ کی صبح 4 بجے 3 گاڑیوں پر مشتمل ایف سی آئی ایس آئی ایم آئی کے اہلکاروں نے گھر پر چھاپہ مارا جس دوران اہلکاروں کا رشید شہوانی اور ان کے ساتھوں نے مقابلہ کیا اور 2 گھنٹے پاکستانی اہلکاروں کا مقابلہ کرنے کے بعد رشید بلوچ اور شاہجہان بلوچ جام شہادت نوش کر گئے جبکہ نصار شہوانی کو زخمی حالت میں ایف سی اہلکار اپنے ساتھ لے گئے جبکہ اس دوران رشید شہوانی کا چھوٹا بھائی فدا شہوانی اور 2 خواتین زخمی ہو گئے۔ مشکے میں پاکستانی فوج کی بربریت کا تسلسل جاری ہے پاکستانی فوج اپنی دہشتگردانہ کاروئیوں میں اس سے قبل بلوچ آبادیوں کو بمباری کا نشانہ بنا چکا ہے جبکہ گزشتہ روز مشکے کنڈڑی میں پاکستانی فورسز نے الاصبح آبادی کو نشانہ بناتے ہوئے گھروں دکانوں اور باڑوں کو نزر آتش کر دیا ہے بڑے تعداد میں دکانوں اور باڑوں کو جلایا گیا جس سے مویشیوں اور دیگر ملاک کو شدید نقصان پہنچا ہے کندری میں پاکستانی فورسز نے یلغار کرتے ہوئے گھروں، دکانوں اور جانوروں کے باڑوں سمیت

تمام املاک کونزر آتش کر دیا ہے نزر آتش کیئے جانے والے املاک میں خلیل بلوچ ، خداداد، خیر بخش، مہر اللہ، محمد بخش، خدا بخش، حاجی یاسین کے گھر شامل ہیں جبکہ متعدد دکانوں کو بھی نزر آتش کیا گیا ہے جن میں انور، اکبر، رشید، ڈاکٹر حنیف کے دکان شامل ہیں جبکہ پیرداد بلوچ کی چکی کو خاکستر کر دیا گیا ان کے ساتھ ساتھ بڑے تعداد میں علاقے میں موجود جانوروں کے باڑوں کو بھی نزر آتش کر دیا گیا۔

بلوچستان میں پاکستان اپنے الیکشن منعقد کر کے تحریک آزادی کو کمزور کرنے کیلئے بلوچ قوم کو دہشتگر دانہ کاروائیوں کا نشانہ بنا رہا ہے جس میں پاکستانی ووٹ اور الیکشن پر زندہ گماشتہ سیاستدان بھی اپنی مفادات کے بچاو کیلئے پاکستان کی دہشتگر دیوں میں پیش پیش ہیں اب تک پاکستان اپنی دہشتگر دانہ کاروائیں میں معصوم بلوچوں کو شہید کر چکا ہے جبکہ بلوچ آبادیوں کو بمباری کا نشانہ بنایا جا رہا ہے گھروں اور مال املاک کو لوٹا اور جلایا جا رہا ہے جبکہ بلوچ فرزند پاکستان کے قبضہ گیر فوج اور ڈیتھ اسکواڈز کے ہاتھوں شہید ہو رہے ہیں۔ مشکے میں جاری کاروائیاں مستنگ میں کی گئی کاروائی اور مکران بھر میں وسیع کاروائی کی تیاریاں سب پاکستان کی جانب سے بلوچ تحریک کو کاونٹر کرنے کیلئے جانی والی کاروائیوں کا حصہ ہیں جن کا مقصد آزادی پسند عوام کے خلاف دہشتگر دانہ کاروائیاں کر کے تحریک آزادی کو کمزور کرنا اور بلوچستان میں الیکشن ممکن بنانا ہے اسی مقصد کیلئے بلوچستان میں اب گورنر راج کے نام پر بلوچ قوم کو فوجی کاروئیوں سے دھمکایا جا رہا ہے اور مرعات اور نوکریوں کا لالچ دینے کا وہی پرانہ اور ناکام حربہ آزمایا جا رہا ہے لیکن بلوچ قوم باشعور ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ ان پر جو ظلم وستم ہو رہے ہیں اس میں اسمبلی اور الیکشن قبضہ گیر پاکستان کا حربہ ہے جبکہ بلوچستان میں پاکستانی فوج تمام اختیارات کا مالک ہے جس نے بلوچستان پر قبضہ کر کے اب تک بلوچ قوم کو محکوم بنایا ہوا ہے اور بلوچستان اسمبلی کی شکل میں بلوچستان میں پارلیمانی سیاست کے نام پر بلوچ تحریک کو کاونٹر کر رہا ہے۔

اب جبکہ بلوچستان میں پاکستان کی تمام حربے ناکامی کا شکار ہیں اور پاکستان کی دیگر حربوں کی طرح پاکستانی پارلیمنٹ بھی بلوچ قوم کی تحریک کو کمزور کرنے میں ناکام ہو چکی ہے تو گورنر راج کا نام لیکر بلوچستان بھر میں اپنی پہلے سے جاری دہشتگر دانہ اور قبضہ گیر کاروائیوں کو مزید شدید تر کر رہے ہیں تا کہ پاکستان کی آنے والے الیکشن سے قبل بلوچ تحریک کو کمزور کر سکے اسی تسلسل میں مشکے میں پاکستانی فوج اپنے دہشتگر دانہ آپریشن کا آغاز کر چکا ہے جس کے دوران بچوں عورتوں بزرگوں اور بلوچ فرزندوں کو شہید کیا جا رہا ہے گھروں اور املاک کو نظر آتش کیا جا رہا ہے اور فورسز کی باری تعداد میں مشکے سمیت بلوچستان بھر میں آمد جاری ہے کاروائیوں کے تسلسل میں اظہافہ ہو رہا ہے اور پاکستانی فورسز آئے روز بلوچ آبادیوں کو نشانہ بنا رہا ہیں مستونگ میں سرچ آپریشن اور بلوچ فرزندوں کی شہادت اسی کا تسلسل ہے جبکہ مکران میں بھی وسیع پہمانے پر فوجی کاروائیوں کی تیاریاں کی جا چکی ہیں۔

☆☆☆

تاریخ:21 جنوری 2013

پاکستانی دھشتگردی کے خلاف بلوچستان بھر میں 22 جنوری بروز منگل تمام سرکاری و نیم سرکاری دفاتر بند رھینگے۔ بی این ایف

کوئٹہ (پ ر) بلوچ نیشنل فرنٹ کے ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ بیسیمہ میں پاکستانی فورسز نے اپنے دہشتگر دانہ کاروائی میں قاسم بلوچ اور بانک ریحانہ بلوچ کو شہید کر دیا بیسیمہ میں پاکستانی فورسز کی دہشتگر دی کے خلاف بلوچ نیشنل فرنٹ کی جانب سے بلوچستان بھر میں 22 جنوری بروز منگل تمام سرکاری و نیم سرکاری دفاتر بند رہینگے ترجمان نے کہا کہ گزشتہ رات 2 بجے بیسیمہ بازار میں قاسم ولد رمضان کے گھر کو پاکستانی فورسز نے گیرے میں لیکر سرچ آپریشن کے نام پر کاروائی شروع کر کے باری ہتھیاروں اور راکٹوں سے گھر کو نشانہ بنایا جس دوران گھر میں موجود بلوچ فرزندوں نے ایف سی کا شدید مقابلہ کیا اور ایک گھنٹے تک پاکستانی قبضہ گیر فورسز کا مقابلہ کرنے کے بعد قاسم بلوچ ولد محمد رمضان اور ریحانہ بلوچ ولد عبدالخالق شہید ہو گئے۔

بیسیمہ واقع بلوچستان میں جاری پاکستانی دہشتگردی کا تسلسل ہے گزشتہ دنوں مستونگ میں بھی بلوچ فرزندوں کو شہید کیا گیا تھا جبکہ اس سے قبل مشکے میں آپریشن شروع کیا گیا جو کہ تاحال جاری ہے پاکستانی فورسز آزادی پسند بلوچ عوام کو نشانہ بنا کر تحریک آزادی کو کمزور نہیں کرسکتا پاکستان الیکشن قریب آنے کے ساتھ ساتھ ٹارگٹڈ آپریشن کے نام پر تحریک آزادی کو ختم کرنے کی کوشش کررہا ہے لیکن بلوچ فرزند قومی آزادی کیلئے دشمن کا دیدہ دلیری سے سامنہ کرتے ہوئے شہادت کا مرتبہ قبول کررہے ہیں اور پاکستان کی ظلم و جبر کو تسلیم کرنے کے بجائے میدان میں جام شہادت نوش کررہے ہیں بلوچ شہدا کی یہ قربانیاں پاکستان کے خلاف بلوچ قوم کیلئے مشعل راہ ہیں ان شہدا کی نقش قدم پر چل کر بلوچ قوم پاکستان دہشتگردانہ کاروائیں کا مقابلہ کرتے ہوئے بلوچ سرزمیں پر پاکستانی قبضہ کو شکست دینگے۔ پاکستانی فورسز نے ایک جانب تحریک آزادی کے خلاف اپنی کاروائیاں تیز کرتے ہوئے بلوچ عوام کو نشانہ بنا رہے ہیں تو دوسری جانب پاکستانی گماشتہ الیکشن کی تیاریاں تیز کرچکے ہیں جو کہ قوم آزادی کی تحریک کو ختم کرنے کیلئے آپس میں مل کر گورنر راج اور ٹارگٹڈ آپریشن کے نام پر بلوچ نسل کشی میں مصروف ہیں۔ بی این ایف کی جانب سے 22 جنوری بروز منگل بلوچستان بھر میں تمام سرکاری و نیم سرکاری دفاتر بند رہینگے۔

☆☆☆

تاریخ:25 جنوری 2013

ن وجوان تنویر احمد کی شھادت ایرانی فورسز کے ھاتھوں بلوچ فرزندوں کی آئے روز شھادت کا تسلسل ھے۔ بی ایس (او آزاد)

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ بلوچ نوجوان تنویر احمد کی شہادت ایرانی فورسز کے ہاتھوں بلوچ فرزندوں کی آئے روز شہادت کا تسلسل ہے ایرانی فورسز بلوچ فرزندوں کو اغوا کر کے انہیں شہید کررہے ہیں مغربی بلوچستان کے ساتھ ساتھ مشرقی بلوچستان میں بھی ایرانی فورسز پاکستانی فورسز اور خفیہ اداروں کے ساتھ مل کر بلوچ فرزندوں کو اغواہ اور شہید کررہے ہیں پاکستان اور ایران بلوچستان پر قابض ہیں اور مل کر بلوچ قوم کی نسل کشی کررہے ہیں پاکستان جہاں بلوچ فرزندوں کو اغواہ کرنے کے بعد ان کی مسخ شدہ لاشیں پھینک رہا ہے تو ایران آئے روز بلوچ فرزندوں کے سرے عام پانسی دے رہا ہے اور بلوچ فرزندوں کو اغواہ اور شہید کررہا ہے ایرانی فورسز نے اپنی دہشتگردانہ کاروائیوں کے تسلسل میں تنویر بلوچ کو اغوا اور شہید کیا زعمران جالگی میں آئل ڈپو پر بطور منشی کام کرنے والے تنویر بلوچ کو 11 جنوری کو ایرانی فورسز نے اپنے کارندوں کے زریعے اغوا کر کے زائدان لے گئے جبکہ راستے میں ہی انہیں زخمی کر کے شہید کیا گیا۔ ایران اور پاکستان بلوچستان پر قابض ہیں اور اپنی قبضہ گیریت کو بچانے کیلئے بلوچ قوم کی نسل کشی میں مصروف ہیں اب تک ہزاروں کی تعداد میں بلوچ فرزند ایرانی جبر کا شکار ہوکر شہید ہوچکے ہیں جبکہ بلوچ فرزندوں کی گرفتاریاں اور انہیں اجتماعی پانسی دینا روز کا معمول بن چکا ہے اسی طرع پاکستان بھی بلوچ قوم کے خلاف اپنی قبضہ گیر پالیسیاں روز بروز تیز تر کرتے ہوئے بلوچ عوام کو آئے روز ٹارگٹ بنا رہا ہے جبکہ بلوچ فرزندوں کا پاکستانی ایجنسیوں کے ہاتھوں اغواہ اور بلوچ نوجوانوں کی لاشوں کو مسخ کر کے پھینکنا بلوچستان میں معمول بن چکی ہیں اب تک ہزاروں بلوچ فرزند پاکستانی زندانوں میں بند ہیں جبکہ سینکھڑوں بلوچ فرزندوں کی لاشوں کو پاکستانی فورسز مسخ کر کے پھینک چکے ہیں۔ پاکستان اور ایران دونوں اس خطے میں اپنی دہشتگردانہ کاروائیوں کا مرتکب ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی امن کیلئے بھی خطرح ہیں جن کی توسیع پسندانہ اور دہشتگردانہ پالیسیاں دنیا کے تمام ممالک کیلئے تشویش کا باعث ہیں۔ پاکستان اور ایران کے دہشتگردانہ عزائم کا ہاتھ روکھنے کیلئے عالمی برادری بلوچ قومی تحریک آزادی کی حمایت کرتے ہوئے پاکستان اور ایران کے خلاف پابندیاں لگائے جبکہ پاکستان کے خلاف ایران کی نسبت عالمی برادری کا نرم رویہ تشویش ناک ہے ایران اور پاکستان دونوں اس خطے میں دہشتگردی کا مرتکب ہورہے ہیں عالمی برادری ایران کی طرح پاکستان کے خلاف بھی پابند یا لگائے۔

☆☆☆

تاریخ:30جنوری2013

پاکستانی گماشتہ پارٹیاں تحریک آزادی کو کمزور کرنے کیلئے میدان میں اپنی سرگرمیاں تیز کرچکے ہیں۔ بی ایس او (آزاد)

کوئٹہ (پ ر) بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ بلوچ قوم پرستی کے نام پر سیاست کرنے والے پاکستانی گماشتہ پارٹیاں بی این پی مینگل، این پی، بی این پی عوامی پاکستانی سیاسی جماعتوں کے ساتھ مل کر تحریک آزادی کو کمزور کرنے کیلئے میدان میں اپنی سرگرمیاں تیز کرچکے ہیں الیکشن قریب آنے کے ساتھ ساتھ گماشتہ جماعتیں ایک دوسرے کے ساتھ مل کر الیکشن کا راستہ ہموار کرنے کیلئے سرگرم ہیں اور ایک جانب الیکشن کی تیاریوں اور جھوڑتوڑ میں مصروف ہیں تو دوسری جانب تحریک آزادی کی عوام مقبولیت اور کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے الیکشن سے قبل تحریک آزادی کو سبوتاژ کرنے کیلئے مختلف حربے آزمارہے ہیں۔گزشتہ دنوں اے پی سی میں تحریک آزادی کو کمزور کرنے اور بلوچستان میں پاکستانی رٹ بحال کرنے کیلئے تجاویز دی گئی ہیں جن کا مقصد آزادی پسند عوم کے خلاف پاکستانی فوج کے ہاتھوں دہشتگردانہ کاروائیوں کے لئے راستہ ہموار کرنا اور بلوچ نسل کشی کرکے بلوچستان میں پاکستانی الیکشن ممکن بنانا ہے جس کیلئے بی این پی، این پی سمیت تمام پاکستانی پارٹیاں ملے ہوئے ہیں۔ترجمان نے کہا کہ سردار اختر مینگل اور نصیر مینگل جہاں قبائلی سطح پر ایک دوسرے کے دشمن ہیں اور ایک دوسرے کے گھروں پر حملے کرچکے ہیں اور قبائلی دشمنی کے نام پر بلوچوں کو آپس میں لڑوارہے ہیں سردار اختر مینگل اپنے کارکنوں کی قتل کیلئے نصیر مینگل اور شفیق مینگل کو زمہ دار قرار دیتے ہوئے شفیق مینگل کی سربرائی میں چلنے والے پاکستانی ڈیتھ اسکوڈز کو ختم کرنے کا مطالبہ کرتا ہے تو دوسری جانب نصیر مینگل کے ساتھ اے پی سی میں ایک ساتھ بیٹھ کر تحریک آزادی کے خلاف سازشیں کرتے ہیں اگرچہ مقامی سطح پر اختر مینگل اور نصیر مینگل کے مفادات ایک دوسرے کے خلاف ہوں لیکن ان کا مشترکہ آقا پاکستان ہے جس کے کہنے پر ان کی سیاسی رشتے بنتے اور ٹوٹتے ہیں تحریک آزادی کے خلاف سردار اختر مینگل اور نصیر مینگل اپنے قبائلی رنجشیں ایک طرف رکھ کر ایک ساتھ ملے ہوئے ہیں۔جبکہ بلوچ عوام کو اندیرے میں رکھ کر الیکشن بائیکاٹ کا نام لیکر خود کو پارسا ثابت کرنے کی ناکام خوشش کررہے ہیں ہالانکہ عبدلرحمان مینگل کی شکل میں ان کے کارندے اسمبلیوں میں بیٹے ہوئے ہیں اور ان کے زریعے میں سردار اختر مینگل اور بی این پی بلوچ قومی وسائل کی لوٹ کسوٹ اور پاکستانی گماشتہ اسمبلیوں میں اقتدار کا حصہ رہتے ہوئے مراعات حاصل کررہے ہیں لیکن بلوچ عوام کو یہ تاثر دے رہے ہیں کہ وہ پاکستان کی جانب سے بلوچ قوم کی نسل کشی اور بلوچ عوام کے خلاف ہونے والے دہشتگردانہ کاروایوں کے خلاف بلوچ قوم کے ساتھ ہیں۔نیشنل پارٹی جو کہ اب تک تحریک آزادی کے خلاف ہر قدم پر اپنے آقا پاکستان کے سامنے اپنی خدمت گزاری اور بلوچ فرزندوں کو اغوا اور شہید کرانے میں ہمیشہ پیش پیش رہا ہے اب الیکشن کی تیاریوں میں جہاں ایک طرف سیاسی جوڑتوڑ میں مصروف ہے تو دوسری جانب پاکستانی فوج کو بلوچ آبادیوں پر دہشتگردانہ کاروائیاں کرنے کیلئے مسلسل رہنمائی فرائم کررہا ہے تاکہ بلوچستان میں ان کے گماشتہ کردار کو روکنے والے بلوچ سرمچاروں کو نشانہ بنایا جائے اور آزادی پسند بلوچ عوام کو بمباری اور دہشتگردانہ کاروائیوں کا نشانہ بنا کر نیشنل پارٹی اور ان کے ہمنوا پاکستانی گماشتوں کیلئے بلوچستان میں لوٹ کسوٹ کا سلسلہ جاری رکھ سکے۔حاصل بیزنجو اور ڈاکٹر مالک ٹی وی شوز میں تحریک آزادی کو چند مخصوص علاقوں پنجگور، کیچ، آواران، جالاوان تک محدود ظاہر کرکے یہ تاثر دینا چاہتے ہیں کہ ان علاقوں میں پاکستانی فوج بلوچ عوام کے خلاف کاروائی کرے جس طرع اب تک نیشنل پارٹی ڈاکٹر مالک، حاصل بیزنجو کے طرف سے مشکے اور مکران میں کاروائیاں میں رہنمائی فراہم کی جاتی رہی ہے پاکستانی میڈیا کے سامنے آواران اور مکران کے مخصوص علاقوں میں حالات کی خرابی کا شوشا چھوڑ کر اور بی ایس او آزاد، بی این ایم کو الیکشن کے خلاف ہونے کا اظہار کرکے درحقیقت پاکستانی گماشتہ سیاستدان پاکستان فوج کو ان علاقوں میں آزادی پسند عوام کے خلاف کاروائی کرنے اور بی ایس او آزاد اور بی این ایم کو ٹارگٹ بنا کر الیکشن کیلئے اپنا راستہ صاف کرنا چاہتے ہیں جبکہ اور یہ تاثر دیا جارہا ہے کہ بلوچستان میں آزادی کی جنگ لڑنے والے چند لوگ ہیں جو کہ مخصوص علاقوں تک محدود ہیں تاکہ تحریک آزادی کو محدود ظاہر کرکے پاکستانی فوج کے زریعے الیکشن سے قبل ان علاقوں میں وسیع پیمانے پر فوجی کاروائیں کرکے آزادی پسند عوام کو نشانہ بنایا جائے اور ان جماعتوں کیلئے بلوچستان میں الیکشن اور پاکستانی قبضہ گیریت کی خدمت گزاری اور مراعات کا حصول جاری رہ سکے۔جس طرع اس سے قبل بھی مکران، مشکے، آواران، مستونگ، سوراب سمیت مختلف علاقوں میں ان ہی گماشتہ پارٹیوں کی رہنمائی میں دہشتگردانہ کاروائیاں کی گئی ہیں جو کہ تاحال جاری ہیں اس سلسلے کو مزید آگے لے جاتے ہوئے بی این پی مینگل، نیشنل پارٹی دیگر پاکستانی پارٹیوں کے ساتھ مل کر بلوچستان بھر میں پاکستانی فوج کے ہاتھوں آزادی پسند عوام کا قتل عام کرنے کا ترغیب دے رہے ہیں۔

☆☆☆

تاریخ:31جنوری2013

منگوچر میں پاکستانی فورسز نے اپنے دھشتگردانہ کاروائی میں ایک بلوچ فرزند کو شھید کر دیا۔ بی ایس او (آزاد)

کوئٹہ(پ ر)بلوچ اسٹوڈنٹس آرگنائزیشن آزاد کے مرکزی ترجمان نے اپنے جاری کردہ بیان میں کہا کہ منگوچر میں پاکستانی فورسز نے اپنے دہشتگردانہ کاروائی میں ایک بلوچ فرزند کوشہید کردیا جبکہ 4 کواغوا کر کے اپنے ساتھ لے گئے ہیں بلوچستان کے مختلف علاقوں میں پاکستانی فورسز نے اپنی کارائیوں کوشدید کرتے ہوئے الیکشن کی تیاریوں کے ساتھ ساتھ بلوچ عوام کوٹارگٹ کررہے ہیں۔گزشتہ روزمنگوچر میں خلق مجید شہید میں ایف سی نے سرچ آپریشن کے نام پرعلاقے کو گیرے میں لیتے ہوئے نہتے بلوچوں ہرحملہ کر کے بلوچ فرزند یونس بلوچ کوشہید کردیااوران کی لاش کوایف سی اپنے ساتھ لے گئے جبکہ کفایت بلوچ،اسد بلوچ،مسعود بلوچ اوررب نواز بلوچ کو فورسز گرفتار کر کے اپنے ساتھ لے گئے کاروائی کے دوران ایف سی اہلکار گھروں میں موجود زیورات اورنقدی بھی لوٹ کر لے گئے منگوچر میں بلوچ فرزندوں کی شہادت اورگرفتاریاں پاکستانی دہشتگردانہ کاروائیوں میں شدت کا تسلسل ہے اسی مہینے میں مستنگ اوربیسیمہ میں بھی ایف سی نے بلوچ آبادی پر کاروئی کر کے بلوچ فرزندوں کو شہید کیا۔ترجمان نے مزید کہا کہ پاکستان اورایران کے درمیان تجارتی معائدوں کا مقصد بلوچ نسل کشی ہے پاکستان ایران چین کے ساتھ مل کر بلوچ قوم کے وسائل کی لوٹ مار کررہے ہیں۔ پاکستان اورایران بلوچ سرزمین پر قابض ہیں اور بلوچ قومی وسائل کا لوٹ مار کر کے بلوچ قوم کی نسل کشی اور بلوچ قوم کے خلاف دہشتگردانہ کاروائیاں کر کے بلوچوں کوشہید کررہے ہیں اب بلوچستان میں معائدے کر کے اپنے استحصال کومزید وسیع کررہے ہیں۔ایران پاکستان کے ساتھ معائدہ کر کے بلوچستان میں ترقی میں دلچسپی لینے کی بات کررہاہے لیکن درحقیقت انہیں بلوچستان کی ترقی نہیں بلکہ بلوچ قوم کی نسل کشی میں دلچسپی ہے ایران اور پاکستان کے درمیان معائدوں کا مقصد بلوچ قوم کی نسل کشی ہے تاکہ ایران اور پاکستان بلوچ سرزمین پر اپنے قبضہ کو برقرار رکھ کر بلوچ قوم کے وسائل کا لوٹ مار جاری رکھ سکیں پاکستان بلوچ سرزمین پر قبضہ کر کے بلوچ وسائل کو عالمی سرمایہ داروں کے ساتھ مل کر لوٹ رہاہے جس میں چین پاکستان کے ساتھ دوستی کے نام پر سرفہرست ہے چین پاکستان کے ساتھ مل کر بلوچ وسائل کی لوٹ مار میں حصہ دار ہے جن کی نظریں ہمیشہ بلوچ سرزمین پر رہی ہیں اور پاکستان کوفوجی اور معاشی مدد فرائم کر کے پاکستان کے ہاتھوں بلوچ عوام کا استحصال کر رہے ہیں۔چین کی پاکستان کے ساتھ دوستی کی بنیادیں ہی بلوچ سرزمین کی دولت ہے جسے حاصل کرنے کیلئے چین اس سے قبل بھی سرتوڑ کوششیں کرتا آرہاہے۔پاکستان بلوچ سرزمین پر اپنے قبضہ کو برقرار رکھنے کیلئے عالمی امداد پر انحصار کرتا ہے جس کیلئے پاکستان بلوچ سرزمین کے وسائل کو اپنے عالمی استحصالی قوتوں کے ہاتھوں میں دے کر ان سے مدد حاصل کررہاہے تاکہ وہ بلوچ نسل کشی میں کامیاب ہوسکے۔ترجمان نے مزید کہا کہ ڈاکٹر مالک اپنی گماشتہ سیاست اور پاکستان سے ملنے والی مراعات کو بچانے کیلئے بلوچ سرمچاروں کوالیکشن میں آنے کا دعوت دے رہاہے جس سے ان کی اپنا خوف اورناکامی ظاہر ہوتی ہیں بلوچ عوام تحریک آزادی کے ساتھ ہیں جنہوں نے پاکستانی الیکشن سے انکار کردیاہے۔

☆☆☆